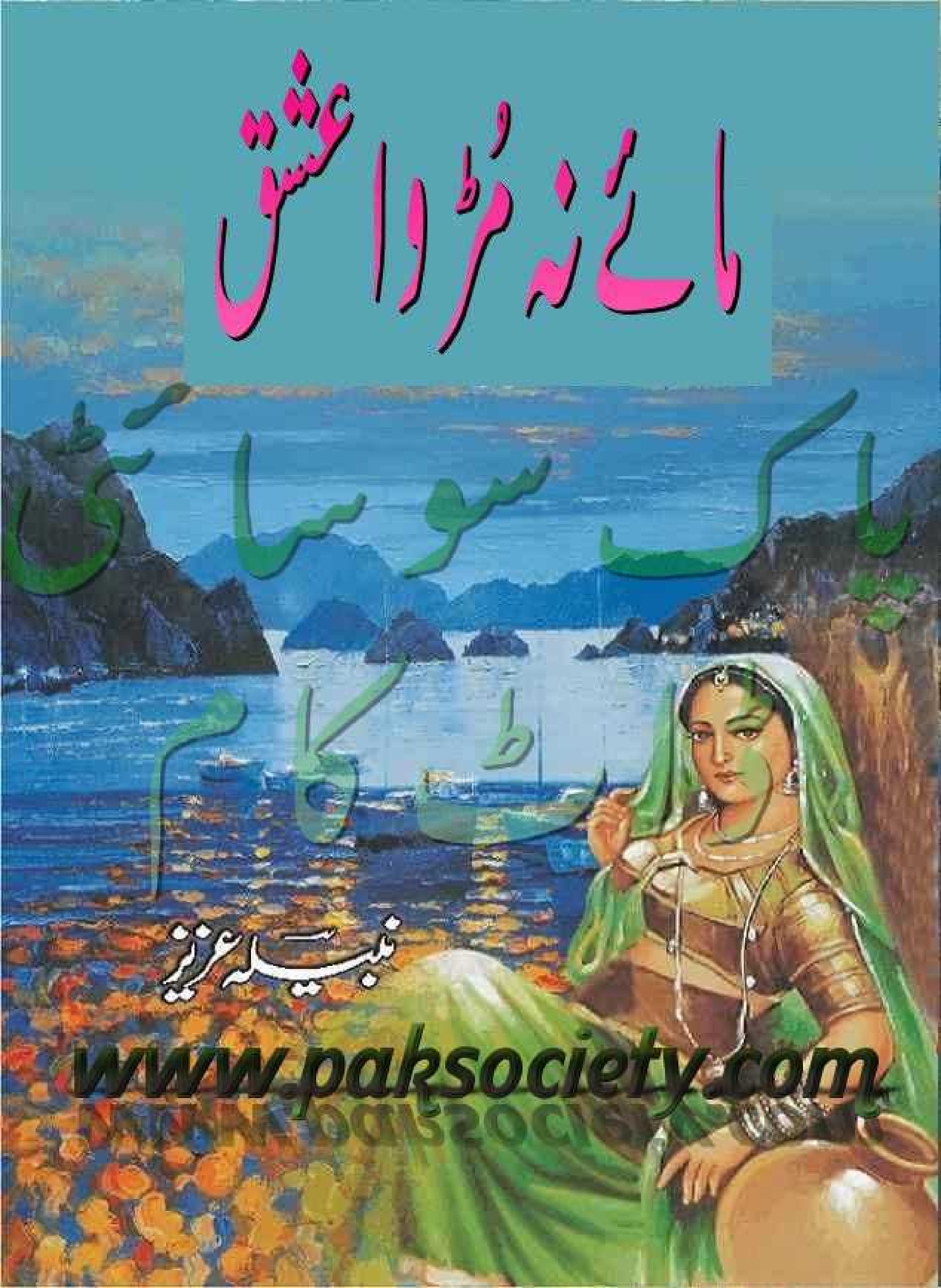

ماۓ نہ مُڑدا عشق
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
نبیلہ عزیز
www.paksociety.com

# مائے نہ مُڑ دا عشق

''اس نے ''جوا'' کھیلا تھا۔ اور جوا ایک ایسا کھیل ہے جس کے کھلاڑی کو پسند نہیں ناپسند کیا جاتا ہے۔ ورنہ ہر کھیل کے کھلاڑی کو لوگ سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں ان سے بات کر کے فخر محسوس کرتے ہیں خوش ہوتے ہیں مگر جوئے کے کھلاڑی کو جسے حرف عام میں ''جواری'' کہا جاتا ہے لوگ پسند کرنا تو دور کی بات، دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے بلکہ نفرت اور حقارت سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

آخر کیوں؟ کیا وہ کھلاڑی نہیں؟ یا پھر جو وہ کھیلتا ہے وہ کھیل نہیں؟ ان سوالوں کے جواب یقیناً وہ بھی مانگتا اگر وہ اس کھیل کو کھیل کر خوش ہوتا، بات تو یہ تھی کہ وہ خود بھی یہ ''جوا'' کھیل کر خوش نہیں تھا باوجود اس کے کہ وہ کامیاب ہوا تھا اور جوا جیت گیا تھا، مگر پھر بھی ہارا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ خالی تھے، اس کی آنکھیں خالی تھیں، اس کا دل خالی تھا اور جب سب کچھ خالی تھا تو پھر جیت کیسی؟ لیکن جب اس نے جوا کھیلنا شروع کیا تھا تو اپنے ہاتھوں، اپنی آنکھوں اور اپنے دل کو مدنظر نہیں رکھا تھا، بس اپنے آنگن کو سامنے رکھ کے شروع کیا تھا۔

اس آنگن کو جس میں اس کی دو بہنیں، ایک بھاوج، ایک ماں، دو بھتیجے اور ایک بھتیجی تھی اسے اپنے آنگن کے بھرے پرے ہونے کی فکر تھی، اپنی ذات کی تہی دامنی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا یا پھر وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کے خالی ہو جانے کے خیال سے نظر چرا گیا تھا۔ اسے اپنی ذات کی کوئی پروا نہیں تھی مگر آج سب کچھ اسی ذات پہ آ پڑا تھا اور اس کی اکیلی ذات بلبلا رہی تھی دل الگ ''ہارے'' جانے یہ دہائیاں دے رہا تھا اور وہ نہ اپنا ہارا ہوا دل کسی کو دکھا سکتا تھا نہ ہی اپنی ذات کی تنہائی اور تہی دامنی بیان کر سکتا تھا اور یہی بے بس کیفیت اسے اپنے آپ سے بھی بے زار کر رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آئندہ وہ اپنی نام نہاد زندگی کا کیا کرے گا اور کیا ہوگا؟ اسی ذہنی کشمکش نے اس قدر شکنجے میں جکڑ رکھا تھا کہ اسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ وہ گزشتہ دو گھنٹوں سے صحن کے وسط میں بچھی چارپائی پہ ایک ہی پوزیشن میں لیٹا ہوا ہے اور تکیہ بنا کے سر کے نیچے رکھا جانے والا بازو سن ہو چکا ہے۔

وہ بڑی گہری اور گھمبیر سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اور ان سوچوں کا محور آج صرف اس کی اپنی ذات تھی، اپنا آپ تھا، اپنا دل اور اپنی دنیا تھی...... وہ دل اور دنیا جو اپنی بساط کے دائرے سے نکل گئے تھے جنھوں نے اپنے پاؤں اپنی چادر سے زیادہ پھیلا لئے تھے اور اب اپنی ذات کو ڈھانپنا دشوار ہو رہا تھا۔ نجانے کیوں آج کچھ اور سوچا ہی نہیں جا رہا تھا۔ بہت دیر بعد سوچوں کا یہ تسلسل گہرے نیلے آسماں کی وسعتوں میں اڑتے دو کبوتروں کی جوڑی نے توڑا تھا اور وہ بے ارادہ ہی ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا وہ دو پنچھی بلند فضاؤں میں اڑان بھرتے اپنی آزادی کا بھرپور لطف اٹھا رہے تھے، دونوں کی سنگت میں مکمل آمادگی، خوشی اور سرشاری کا احساس، وہ اتنی دور سے بھی باآسانی محسوس کر سکتا تھا، ان کے پر اڑ نہیں رہے تھے بلکہ رقص کر رہے تھے۔ جھوم رہے تھے وہ اک دوسرے کی ہمراہی میں اس قدر خوش تھے کہ اتنی اونچی اڑان بھرتے بھرتے تھک کر زمین پر گرنے کی بھی کوئی پروا نہیں تھی اور نہ ہی آسمان کی بلندیوں کو چھونے کی تمنا میں ہلکان ہونے کا ارادہ لگتا تھا۔

وہ اک دوسرے کے ساتھی تھے۔ ان کے لیے یہی کافی تھا۔ بادلوں سے نیچے اور ہواؤں کے اوپر وہ دو پنچھی ناچتے گاتے اس کے دل کو پھڑ پھڑا کے رکھ گئے تھے۔

اس کے دل میں بھی ہمک ہوئی کہ کاش وہ بھی ان آزاد پنچھیوں کی طرح بے فکر اور آزاد ہوتا، ہر غم ہر سوچ جھٹک کر انہی معطر اور بلند فضاؤں میں گم ہو جاتا، لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ انسان کا کہیں گم ہو جانا اتنا بھی آسان نہیں جتنا ان پرندوں کا......! اپنی اسی خواہش میں کھو کر ذرا کی ذرا نظر چوکی تھی اور وہ دونوں پنچھی آسمان کے سینے سے نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے یا پھر کہیں آگے نکل گئے تھے اس نے ان کی تلاش میں پورے آسمان کو اپنی متجسس نظروں سے بری طرح کھنگال ڈالا تھا لیکن وہ کہیں بھی نظر نہیں آئے تھے اور وہ پنچھی ہونے کی آرزو کرنے والا وہیں رہ گیا تھا۔

اب وہ تاحد نظر پھیلے نیلگوں آسمان کو مایوسی سے دیکھ رہا تھا، نظروں کا تجسس بجھ سا گیا تھا، جیسے نئے سرے سے کچھ کھو گیا ہو۔

''ہائیں! تم ابھی تک یہیں لیٹے ہو؟'' اماں جی کب اس کی چارپائی کے قریب آ کھڑی ہوئی تھیں اسے کچھ پتہ نہ چلا مگر ان کی آواز پہ چونک گیا تھا نظر آسمان کی وسعتوں سے ہٹ گئی تھی۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' ''طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' انہوں نے اس کی خالی خالی نظروں کو دیکھ کر تشویش سے جھک کر اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا تھا لیکن پیشانی ٹھنڈی تھی۔ بالکل اس کی قسمت کی طرح! وہ کچھ بھی کہے بنا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا مگر اپنے سن ہوتے بازو کو حرکت دی تو کافی تکلیف ہوئی تھی چارپائی کی رسیاں اس کے بازو پہ نقش ہو چکی تھیں، یوں لگ رہا تھا جسم میں پیوست ہو گئی ہوں۔ اماں جی نے بے ساختہ اس کے بازو پہ نرمی سے ہاتھ پھیر کر سہلایا تھا۔

''جب سے میں گئی ہوں تم ایک ہی کروٹ لیٹے رہے؟ کیا سو گئے تھے؟''

''شاید......'' وہ محض ایک لفظ کہتا ہوا جوتے پہن کر باہر نکل گیا تھا لیکن اندر کہیں دل کہہ رہا تھا۔

''سویا کب ہوں اماں ابھی تو جاگا ہوں۔'' مگر اماں کے سامنے کہہ بھی تو نہیں سکتا تھا وہ تو ابھی تک لاعلم تھیں کہ ان کے سامنے ان کی آنکھوں تلے کیا کچھ ہو چکا ہے اور وہ پھر بھی بے خبر ہیں؟ لیکن بتانے سے بھلا حاصل ہی کیا ہوتا؟ الٹا اسے یہ جو کھیلنے کے نتیجے میں ان کی ڈانٹ پھٹکار اور سرزنش ہی سننا پڑتی جو فی الوقت وہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا اور وہ ہر چیز سے بے زار اور جھنجلایا ہوا پھر رہا تھا۔

شام اپنا آنچل کائنات کے حسین و دلکش مکھڑے پہ پھیلاتی جا رہی تھی، آسمان کے ہونٹ غروب آفتاب کی دہکتی لالی اتر جانے کے بعد سیاہی مائل ہونے لگے تھے۔ ماحول پہ چھانے والی تاریکی ہر دل کو اداسیوں سے بھرنے کے لئے تیار کھڑی تھی پرندوں کی اڑانیں دھیمی پڑ چکی تھیں اور جانور تھکن کے احساس سے اپنی گردنیں خم کر چکے تھے۔

وہ ابھی گلی میں ہی تھا جب مسجد میں مؤذن نے اذان دینے کے لئے سپیکر کو ہلکے سے انگلی کی ضرب سے بجایا تھا یہ سپیکر کی کارکردگی چیک کرنے کا انداز ہوتا تھا کہ وہ صحیح کام کر رہا ہے یا نہیں؟ پھر گاؤں کے پرسکوت ماحول میں اذان کی پکار گونجی تھی۔ وہ تو پہلے ہی مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلا تھا، اب اس پکار پہ قدموں میں تیزی آ گئی تھی، اس کے علاوہ بھی کئی مرد حضرات بھی گھروں سے نکل چکے تھے۔ نماز ادا کرنے کی ہمک میں،

ان کے قدموں کی چاپ گلیوں سے ہوتی ہوئی مسجد کی سمت بڑھ رہی تھی۔

''السلام علیکم۔'' مسجد کے دروازے پہ ہی اسے عارف مل گیا تھا۔

''وعلیکم السلام! تم آج بھی یہیں ہو؟ شہر نہیں گئے۔'' عارف فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔ دونوں کافی گہرے دوست تھے۔ گاؤں کے سکول اور مدرسے سے لے کر کالج تک ساتھ ہی پڑھا تھا اور دونوں ہی اک دوسرے کے مزاج آشنا تھے۔

''بھرجائی نے میکے جانا تھا اس لئے مجھے روک لیا، صبح چلا جاؤں گا چھٹی بھی ختم ہو چکی ہے۔'' وہ عارف کو جواب دیتا۔ جوتے اتار کر وضو کرنے کے لئے بنائی جانے والی جگہ پہ آ بیٹھا تھا جہاں اور بھی لوگ وضو کرنے میں مصروف تھے۔ عارف بھی اس کے برابر بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نماز ادا کرنے کے لئے تمام صفیں کھڑی ہو گئی تھیں، مسجد کے امام صاحب سب سے آگے کھڑے تھے۔ دُعا کے بعد نماز کی نیت باندھ لی گئی تھی۔ مسجد کے احاطے میں سب کے منہ سے ایک سات ادا ہونے والی ''اللہ اکبر'' کی آواز نے دن رات کی گردش اور بے سکون دلوں کو ایک دم سے پرسکون کر دیا تھا۔ یوں جیسے اللہ نے ہر ذی نفس پہ اپنی رحمت کا ہاتھ رکھ دیا ہو اور ہر ایک کو انجانا سا قرار آ جائے اس وقت سب کے سامنے اللہ کی پاک ذات تھی اور اللہ کے سامنے ''اس کے بندے''۔



''صاحب! آپ کو میڈم بلا رہی ہیں۔'' وہ ابھی سو کر اٹھا ہی تھا کہ میڈم کا پیغام رساں بھی پہنچ گیا تھا اور اسے سخت بے زاری اور اُلجھن ہوئی تھی۔

''میں شاور لے لوں پھر آتا ہوں۔'' اس نے اپنی کوفت کو ضبط کرتے ہوئے آہستگی سے کہہ کر وارڈ روب کھولا اور اپنے کپڑے نکالنے لگا، ملازم پیغام کا جواب لے کر وہاں سے جا چکا تھا، اس نے شاور لیا، کپڑے بدلے، بال سنوارے اور اپنے آپ کو میڈم کے کسی نئے حکم کے لئے تیار کرتا انیکسی کا احاطہ عبور کر کے بنگلے کے مرکزی حصے میں آ گیا تھا۔ یہ حصہ جنت کے ٹکڑے سے کم نہیں تھا بے شک انیکسی بھی بے حد لگژری تھی، لیکن اس مرکزی حصے کی ترتیب و تعمیر پہ کروڑوں کی لاگت آ چکی تھی اور اس بنگلے کو ڈیکوریٹ کرنے کے لئے ہر ملک سے قیمتی اور نادر اشیاء کا استعمال کیا گیا تھا اور اس کے لان کو سجانے کے لئے انواع و اقسام کے پھول، پودوں سے آرائش کی گئی تھی اور حقیقتاً یہ لان اس قدر خوبصورت تھا کہ پہلی مرتبہ اس گھر میں داخل ہونے والا چند ثانیے مبہوت ہو کے رہ جاتا تھا اور پلکیں جھپکانا بھول جاتا تھا لیکن وہ جب پہلی بار یہاں آیا تھا تو مبہوت ہوا تھا اور نہ ہی آنکھیں پھیلا پھیلا کر اس کی خوبصورتی کا یقین کیا تھا، شاید اس لیے کہ وہ اس حقیقت کے یقین سے پہلے ہی مالا مال تھا، اسے گھر کے مکینوں سے مل کر ہی گھر کے در و دیوار کی مالیت کا اندازہ با آسانی ہو گیا تھا۔

وہ لان کی سیڑھیاں طے کرتا مضبوط چنیوٹی لکڑی کے دروازے کو دھکیل کر چمکتی دمکتی راہداری میں داخل ہو گیا تھا یہ راہداری بے حد مختصر تھی البتہ مختصری راہداری سے آگے وسیع و عریض لگژری ڈرائنگ روم کی حدود شروع ہو جاتی تھی، جس کو آرکیٹکٹ کی مہارت نے بیک وقت کئی حصوں کی شکل دے رکھی تھی اور ہر حصے کی سجاوٹ ایک دوسرے سے قطعی مختلف تھی، کہیں سندھی کلچر کی جھلک تھی تو...... کہیں امریکن سٹائل کی چھاپ نظر آ رہی

تھی۔ ابھی وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا ہی تھا کہ ملازمہ بھی نازل ہو گئی تھی۔

''صاحب! میڈم نے آپ کو ڈائننگ روم میں بلایا ہے۔'' ملازمہ کی اطلاع پہ مجبوراً ڈائننگ روم کا رُخ کرنا پڑا تھا۔

''السلام علیکم۔'' میڈم ناشتہ کرنے میں مصروف تھیں اس کے سلام کا جواب دے کر اپنے مقابل والی کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''بیٹھو......''

''آپ ناشتہ کر لیں، میں باہر آپ کا انتظار کر لیتا ہوں......''

''ارے! چھوڑو یہ تکلف بیٹھو میرے ساتھ ناشتہ کرو۔'' انہوں نے خفگی سے کہا اور دوبارہ ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا کہا تھا۔

''تھینکس! میں ناشتہ کر چکا ہوں۔'' میڈم کے اس التفات سے بچنے کے لئے اسے صبح صبح ہی جھوٹ بولنا پڑ گیا تھا۔

''اتنی جلدی؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''جی ابھی کر کے آیا ہوں۔'' وہ کافی پُر تکلف سے انداز میں بول رہا تھا۔

''اچھا؟ خیر چھوڑو یہ بتاؤ کل رات تم اتنی دیر سے کیوں آئے تھے؟ گھر میں سب خیریت تھی ناں؟'' انداز اپنائیت سے لبریز تھا، بلکہ چھلکا پڑ رہا تھا۔

''بس خیریت تھی۔'' بے حد دو ٹوک جواب تھا۔

''اب تو تمہارے سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں، پھر اتنے اداس اور سنجیدہ سے کیوں ہو؟'' خوش رہا کرو میری جان...... خوشی تو خود ایک نعمت ہے۔'' انہوں نے بڑے پیار سے کہا تھا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ کتنی آسانی اور بے فکری سے وہ خوشی کا درس دے رہی تھیں، وہ جواباً کافی دیر تک خاموش ہی رہا تھا تب میڈم کو اس کی چپ کا ذرا سا احساس ہوا۔



''کیا بات ہے کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟''

انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں......''

''آفس کب جوائن کر رہے ہو۔''

''ابھی آفس کے لئے ہی نکلنے والا تھا۔''

''اوہ! میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ تمہیں بتا دوں کہ میں آج دس بجے کی فلائٹ سے انگلینڈ جا رہی ہوں، یقیناً تمہیں معلوم تو ہو گا؟ دراصل میں چاہتی ہوں کہ تم آفس کے ساتھ ساتھ گھر کا دھیان بھی رکھو، بے شک سارا خطرہ ٹل چکا ہے لیکن پھر بھی میرے دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔''

''لیکن میڈم......'' اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''ہاں جانتی ہوں یہ سب اضافی ذمہ داریاں ہیں تم اپنی ذمہ داری نباہ چکے ہو...... لیکن پھر بھی تم اسے میری ریکوئسٹ یا میری مجبوری سمجھ لو

اس کے لئے میں ہمیشہ تمہاری احسان مند رہوں گی، محض چند دن کی بات ہے، میری واپسی تک انتظار کرو پھر سارے معاملات سیٹ ہو جائیں گے۔''

اس کے سامنے بیٹھی ''میٹھی چھری'' میڈم کشور جہانیاں بات ہی کچھ اس انداز سے کرتی تھیں کہ سامنے والا اختلاف کے باوجود ان کے لب و لہجے کی بھینٹ چڑھ جاتا تھا اور کچھ کہنے کا ارادہ بس ''ارادہ'' ہی رہ جاتا تھا۔ وہ بھی اس وقت کچھ نہیں کہہ پایا تھا، حالانکہ بہت کچھ کہنے کی خواہش دل میں منہ زور ہوئی جا رہی تھی مگر اب بول کر بھرم گنوانے کا کیا فائدہ تھا؟

جب اتنے کڑے دن گزار لئے تھے تو یہ تو کچھ بھی نہیں تھے یہ محض تکلف کی آخری سانسیں گنی جا رہی تھیں۔

''آپ کی واپسی کب تک ممکن ہوگی؟'' اس نے میڈم کو اٹھتے دیکھا تو خود بھی کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''تقریباً دو ہفتے لگ ہی جائیں گے، دعا کرو ڈیلنگز کامیاب ہو جائیں۔'' ان کی ملازمہ ان کا بیگ، موبائل، ٹکٹ اور پاسپورٹ وغیرہ ہاتھ میں لئے تیار کھڑی تھی۔ انہوں نے ائیرپورٹ پہ کسی سے ملنا تھا اس لئے گھر سے جلدی نکل رہی تھیں۔

''اوکے! اس دفعہ بھی ہمیشہ کی طرح تمام ریسپانسبیلٹی تم پہ ہے، خیال رکھنا اور اگر چاہو تو کچھ عرصے کے لئے انیکسی سے یہاں شفٹ ہو جاؤ دیکھ بھال میں آسانی رہے گی، اور وائز ایز یوش اینڈ گڈ بائے ڈیئر ڈارلنگ......''

وہ پاس سے گزرتے ہوئے ہلکا سا مسکرا کر اس کا گال چھو کر چلی گئی تھیں اور وہ غصے اور بے بسی سے بھر گیا تھا۔ اس نے بہت زور کی ٹھوکر ڈرائننگ چیئر کو دے ماری تھی۔

''ہونہہ! ریسپانسبیلٹی......'' اس کا جی چاہ رہا تھا اس گھر کو کھڑے کھڑے تہس نہس کر کے رکھ دے، ہر چیز توڑ پھوڑ ڈالے، لیکن ایسا ممکن کہاں تھا بھلا؟ یہ گھر آخر میڈم کشور جہانیاں کا گھر تھا اور وہ میڈم کشور جہانیاں کا ''غلام'' کچھ ایسا ویسا تو وہ پہلے نہیں کر سکا تھا۔ جب اس پہ قربتوں کی ذمہ داری تھی اب تو پھر بھی تکلفات کی دیواریں سربلند کھڑی تھیں اور اس کے ہاتھ بالکل خالی تھے۔ سارے کارڈز (پتے) ہاتھوں سے پھینک چکا تھا اور کھیل کا دورانیہ بھی ختم ہو چکا تھا اور فیصلے کے اختیارات میڈم کشور جہانیاں کے پاس تھے چاہے ''جوکر'' کو کنگ بنا دیتیں چاہے کوئین کو ''کینز'' یہ سب ان کی مرضی تھی۔

وہ خود پہ ضبط کرتا باہر نکل آیا تھا اور اپنی گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے اس کی نظر اچانک ٹیرس کی سمت اٹھی تھی۔ ''رباب جہانیاں'' اپنے سیاہ سلکی شولڈر کٹ بالوں میں دائیں ہاتھ کی انگلیاں پھیرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے سیل فون کان سے لگائے کسی سے باتیں کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چہل قدمی میں مصروف تھی، اس کا دل مزید جل اٹھا تھا اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ایک دم سے گاڑی سٹارٹ کی تھی یہاں تک کہ ٹائر بڑے زور سے چرچرائے تھے اور اب ٹھٹکنے کی باری رباب جہانیاں کی تھی، اس نے حیرت سے گیٹ سے فراٹے بھرتی گاڑی کو نکلتے دیکھا تھا۔

''سکندر! یہ کب آیا؟ مجھے پتہ نہیں چلا؟'' وہ جس کسی سے بھی بات کر رہی تھی اس سے بات کرنا بھول چکی تھی اس کی توجہ کی طنابیں کسی اور سمت مڑ چکی تھیں اور وہ نظروں سے اوجھل ہو جانے والی گاڑی کے ''ڈرائیور'' کو سوچے جا رہی تھی وہ یقیناً اپنے آپے میں نہیں تھا ورنہ یہ تیور اس کے تو نہیں تھے وہ تو بہت ''ٹھنڈا'' آدمی تھا۔



''اے ارباب! رُک وہ دیکھ تیرازاہد کھڑا ہے۔'' اس کے برابر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی اس کی جگری یار لکی نے بے ساختہ زور سے کہا تھا اور رباب نے براؤن گلاسز کے باوجود تعجب آمیز نظروں سے لکی کو دیکھا تھا۔

''میرازاہد؟'' نگاہوں کے ساتھ ساتھ لب بھی سوالیہ ہو گئے تھے۔

''ہاں تمہارازاہد۔ گاڑی ذرا بیک کرو پھر دیکھو تمہارازاہد کون ہے؟'' لکی کے عجیب وغریب انداز اور ذومعنی بات سے وہ الجھ گئی تھی اور گاڑی کو ریورس کیا تھا اور جب اس کی بلیک چمچماتی سیلون پیچھے سرکتی ہوئی سلور کلر گاڑی کے برابر آ کے رکی تو ماتھے پہ نمودار ہونے والی شکنیں بکھر کر ہموار ہو گئی تھیں۔ اس نے ہارن پہ ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ جو گاڑی کے انجن پہ جھکا اس کی خرابی کا سراتلاش کر رہا تھا ہارن کی آواز پہ فوراً سیدھا ہوا تھا۔

''کیا پرابلم ہے؟'' اس نے گاڑی کا شیشہ فولڈ کرتے ہوئے استفسار کیا تھا اور گلاسز آنکھوں سے ہٹا کر بالوں میں اٹکا لئے تھے۔

''پتہ نہیں اچانک انجن بند ہو گیا ہے۔'' کافی لیا دیا سا انداز تھا۔

''تو دھوپ میں کیوں کھڑے ہیں گھر چلے جائیں اور ڈرائیور کو بھیج دیں۔'' رباب اس کے پسینے سے بھیگی شرٹ دیکھ چکی تھی اور اس کی پیشانی اور کنپٹی سے بہتے پسینے کے قطرے بھی اس کی نظروں سے چھپے نہیں رہ سکے تھے وہ شرٹ کی آستین فولڈ کیے ہوئے تھا اور ہاتھ میں سبز رنگ کا اسکروڈرائیور دبا ہوا تھا۔

''موٹر مکینک کو کال کیا ہے ابھی کوئی آ جائے گا۔''

وہ اپنی کلائی موڑ کر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا تھا بلیک چمڑے کے چین میں سلور ڈائل والی گھڑی اس کی مضبوط مردانہ کلائی پہ کافی سختی سے بندھی ہوئی تھی۔

''آپ نے کہیں جانا ہے تو آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' رباب نے اسے آفر کی تھی جبکہ لکی نے اس کا متفکر سا انداز دیکھ کر اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل روکا تھا۔

''نو تھینکس! مجھے کہیں نہیں جانا۔'' وہ اپنے سابقہ نپے تلے لہجے میں کہہ کر جان چھڑانے والے تاثرات طاری کر چکا تھا اس کے چہرے پہ بے زاری واضح نظر آ رہی تھی۔

''لیکن آپ اتنی دیر دھوپ میں کیسے......'' اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ وہ پلٹ کر دوبارہ اپنی گاڑی کی سمت چلا گیا تھا اور لکی کی بمشکل روکی جانے والی ہنسی بے قابو ہو گئی تھی رباب کا چہرہ غصے اور ہتک کے احساس سے تپ کر لال ہو گیا تھا اس نے ایک دم سے ایکسیلیٹر پہ پاؤں رکھ دیا تھا چہرے کے نقوش میں تناؤ آ گیا تھا وہ غبارے کی طرح بھری تھی اور اس کا پھٹنا یقینی ہو چکا تھا۔ گاڑی ہواؤں سے شرط باندھ چکی تھی۔

''تمہیں پتہ بھی ہے کہ وہ کتنا پارسا ہے؟ پھر بھی اسے آفر کر رہی ہو، وہ بھی دو دو لڑکیوں کی موجودگی میں؟ ویسے یار مجھے اس کی پارسائی کا یقین ہو گیا ہے وہ سچ مچ بڑا پکا زاہد ہے۔'' لکی کی باتیں رباب کو مزید تپا رہی تھیں اس نے گردن موڑ کر لکی کو دیکھا تو وہ اس کے جارحانہ تیور دیکھ کر چپکی ہو بیٹھی تھی کچھ کہہ کر ایکسیڈنٹ کروانے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔

گھر آ کر اس نے وہ اُٹھا پٹخ مچائی کہ لکی نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے تھے وہ آتے ہی اپنے سینڈل، اپنا بیگ، اپنے گلاسز، اپنا سیل فون حتیٰ کہ ڈرائنگ روم میں رکھے کشنز اور کرسٹل کے قیمتی ڈیکوریشن پیسز بھی اٹھا اٹھا کر ڈھیر کرتی جا رہی تھی مجبوراً لکی کو مداخلت کرنا پڑی تھی۔

''آخر کس چیز کا غصہ ہے تمہیں؟ تم خود ہی تو کہتی ہو کہ تمہیں کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی، تمہارے لئے تم خود اہم ہو، پھر یہ سب کیا ہے؟''

لکی نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''لکی مجھے کسی بھی چیز کی اب بھی پروا نہیں ہے لیکن مجھے اس شخص کی پروا ہے..... جتنی میں اپنے لئے اہم ہوں اتنا ہی یہ شخص بھی میرے لئے اہم ہو چکا ہے میں...... میں اس کے ایک جیسے رویے سے پاگل ہو جاتی ہوں۔ وہ کتنی آسانی سے مجھے اگنور کر دیتا ہے مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ کبھی بھی میری طرف متوجہ نہیں ہوا؟ کیا میں لڑکی نہیں ہوں؟ یا پھر وہ مرد نہیں ہے؟'' وہ یکدم پھٹ پڑی تھی اور لکی کی رگ شرارت پھڑک اٹھی۔

''یہ تو تم دونوں کو ہی معلوم ہوگا کہ تم لڑکی نہیں ہو یا وہ مرد نہیں ہے؟ ویسے یار آپس کی بات ہے مسئلہ کافی غور طلب ہے یقیناً کوئی چکر......''

''اسٹاپ اٹ! ایڈیٹ میں نے تمہیں مذاق اڑانے کا نہیں کہا۔'' اس نے چیخ کر کہا تھا۔

''او کے محترمہ! آپ چیخ چلا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں، میں اپنے گھر چلتی ہوں خوامخواہ مجھے ساتھ لا کر ذلیل کیا اللہ حافظ۔'' لکی آف موڈ کے ساتھ کہتی اپنے سینڈل پہن کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''دفع ہو جاؤ۔'' وہ پیچھے سے چلائی تھی اسے پتہ تھا کہ لکی کہیں نہیں جائے گی اور سچ مچ وہ کہیں نہیں گئی تھی بلکہ کچن میں جا کر ملازمہ سے کھانا لگوانے لگی۔

اور تھوڑی دیر بعد دونوں کھانا کھا کر بیڈ روم میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں اور وہی ''زاہد نامہ'' کھول رکھا تھا جو آج کل رباب جہانیاں کی دھڑکنوں پہ چھایا ہوا تھا۔

وہ سوتے جاگتے اسے ہی سوچ رہی تھی اور اپنی ان سوچوں کو وہ صرف لکی کے سامنے کھول کے رکھ سکتی تھی اپنی ماں یا پھر اس شخص کے سامنے کچھ کہنے کا اور اپنے جذبات کا اظہار کرنے کا اس میں قطعی حوصلہ نہیں تھا نجانے انا آڑے آ جاتی تھی یا اپنی ذات کا بھرم روک لیتا تھا کہ وہ اتنی سرکش ہونے کے باوجود بے بس ہو جاتی تھی اس شخص کی طرف سے انکار کا سوچ کر ہی اسے جھرجھری آ جاتی تھی وہ آج کل مضطرب تھی اضطراب اس کی انگلیوں کی پوروں سے رگوں میں بہتے لہو تک حلول کر گیا تھا اسے اپنے ہی دل نے مشکل میں ڈال رکھا تھا۔

''تم اپنی مما سے بات کیوں نہیں کرتیں؟'' بالآخر لکی بھی سنجیدہ ٹریک پہ آ گئی تھی۔

''مما سے بات کروں بھی تو کیا؟ اگر وہ خود ہی انکاری ہو گیا تو پھر، پھر میرا بھرم بھی ٹوٹے گا اور یہ کم بخت بھی۔''

اس نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا جو اس کے سینے میں رہ کر بھی کسی اور کے لئے دھڑکتا تھا کچھ عرصے سے اس کی تال ہی بدلی ہوئی تھی دھڑکنوں میں کسی کا نام رقص کرتا تھا۔

''لیکن، رباب یہ ٹوٹے جانے کا خدشہ کب تک پال کے بیٹھی رہو گی پوری زندگی کا سوال ہے، ذرا سی بات کر لینے میں کیا حرج ہے؟''

گئی اسے کسی ایک فریق کے سامنے اظہار پہ اکسار ہی تھی۔

''وہ سب بھی ٹھیک ہے لیکن لکی اگر اس کے دل میں بھی میرے لئے کوئی نرم گوشہ ہوتا تو ضرور وہ بھی تو کچھ کہتا، کوئی اظہار ہی کر دیتا، کوئی ہلکا سا اشارہ ہی دے دیتا کم از کم نظروں سے ہی کچھ کہہ دیتا...... لیکن وہ کہتا بھی کیسے؟ اس نے تو کبھی مجھے نظر بھر کے دیکھا ہی نہیں بھلا اشارہ کیسے کرتا؟...... وہ خود ہی افسردگی سے سوال وجواب کر رہی تھی لکی کا ٹریک پھر سے نان سیریس ہو گیا تھا......

''تو تمہیں نظر بھر کے نہ دیکھنے کا افسوس ہے؟''

''ہاں لکی افسوس ہوتا ہے وہ بھی اس شخص کے نہ دیکھنے کا جس کے سوا ہمیں کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا جس کے سوا ہم کسی اور کو دیکھنا اپنی نظر کا زیاں سمجھتے ہیں اور جس کو دیکھنے کے لئے ہماری سیدھی سادھی نظریں بار بار بھٹک جاتی ہیں۔ میں بیٹھے بیٹھے اسے نجانے کتنی بار دیکھ لیتی ہوں اس کے چہرے کا اک اک نقش میرے دل پہ نقش ہو چکا ہے اس کے بازو پہ لگے اسٹیچز کے نشان مجھے ازبر ہیں، اس کی ہر ہر حرکت سے واقف ہوں اور ایسے میں جب وہ مجھے ہی دیکھنے سے گریز کرتا ہے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے، مگر میں چاہتی ہوں وہ بھی مجھے میری طرح ہی بے قرار نظروں سے دیکھے اور مجھے دیکھ کر اسے قرار آجائے۔ اس کا سکون میری ذات سے وابستہ ہو۔'' سانس میں لوں اور جیے وہ۔'' کہتے کہتے رباب کا لہجہ جذبات کے گداز سے معمور ہو گیا تھا۔ لکی اس کی شدت کی گہرائی کی جھلک دیکھ چکی تھی۔ جب ہی ہلکا سا کنکر پھینکا تھا۔

''اگر تمہاری مما یا پھر اس زاہد کی طرف سے کوئی رکاوٹ پیدا ہوئی تو؟ دونوں میں سے کسی ایک نے یا پھر دونوں نے ہی اختلاف کیا تو؟''

لکی اس منہ زور ندی کی شوریدہ سری دیکھنا چاہتی تھی۔

''میری زندگی اس شخص کی سانسوں میں ہے اور اس سے آگے سوچنا میں نے چھوڑ دیا ہے۔'' رباب کا لہجہ اس دفعہ بے حد مضبوط تھا اور لکی چپ ہو کے رہ گئی تھی، کیونکہ اس ندی کی شوریدہ سری میں پاگل ہو جانے یا پاگل کر دینے کے اٹل عزائم تھے۔



یوں لگتا تھا جیسے پورے شہر میں ''نو ویکینسی'' کے بورڈ آویزاں ہو گئے ہوں، کسی کو کسی ملازم کی ضرورت ہی نہ رہی ہو، جیسے لوگوں نے اپنے کام خود کرنا شروع کر دیے ہوں یا پھر کوئی کام کرنے کے لئے رہا ہی نہ ہو اور روزگار کی تلاش میں نکلنے والوں کے لیے مایوسی ان کا نصیب بنی کھڑی تھی، جس کے ہاتھ میں بیلچہ اور تیشہ تھا۔ وہ بھی بے روزگار تھا اور جس کے ہاتھ میں ڈگریوں سے بھری فائل اور ذہانت کی سند تھی وہ بھی بے روزگار اور بے کار پھر رہا تھا اور ان بے روزگاروں میں وہ بھی شامل تھا۔

وہ بھی صبح سات بجے نکلتا تھا اور رات گئے تک نوکری کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا، اس کا ایک ایک دن اس پہ بھاری گزر رہا تھا۔ اس کے گھر میں ایک ایک روپے کی بھی سخت ضرورت تھی اور اس ضرورت کے لئے وہ کسی پیون کسی سویپر کی نوکری کرنے کے لئے بھی تیار تھا مگر ملتی بھی تو تب نا؟ ہر دن کے اختتام پہ وہ اس قدر فرسٹریشن کا شکار ہو جاتا تھا کہ اپنی فائل کو پھاڑ کر پھینک دینے کو جی چاہتا تھا۔

اور وہ ایسا کر بھی گزرتا اگر اسی فائل سے نوکری ملنے کی آس نہ بندھی ہوتی، ایک دو جگہ پہ تو انٹرویو بھی دے چکا تھا مگر...... پیدل چلتے چلتے

وہ نہ جانے کتنی دور آ گیا تھا کہ اسے اتنی مسافت طے کرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا لیکن لاشعوری طور پر یقیناً وہ تھک چکا تھا۔جبھی بے دھیانی کے باوجود فٹ پاتھ پہ بیٹھ گیا تھا۔

اور ہاتھ میں پکڑی فائل سائیڈ پہ رکھ دی چہرہ جھکا ہوا تھا اور نظر اپنے سیاہ بوٹوں پہ تھی جو گرد آلود ہو رہے تھے اور وہ اسی گرد کو دیکھے گیا۔

''انسان کا اور دھول کا رشتہ کیسا ہے آخر؟ زندہ ہو تو قدموں سے لپٹتی رہتی ہے مر جائے تو چہرے پہ آ جاتی ہے۔پہلے انسان دھول کو روندتا ہے پھر دھول انسان کو روندتی ہے ایسا کیوں ہے؟ یہ تعلق کیسا ہے؟'' وہ عجیب سی بات میں الجھنے لگا تھا ہوا بہت تیز ہو رہی تھی اور سائے ڈھل رہے تھے۔سڑکوں پہ گہما گہمی بڑھ رہی تھی مگر یہ سڑک معروف شاہراہ نہیں تھی، اس لئے گاڑیوں کا گزر شاذونادر ہی ہو رہا تھا لیکن پھر بھی جو گزر رہی تھی وہ تیز ہوا کی وجہ سے کچھ زیادہ دھول اڑا رہی تھیں۔یہ الگ بات تھی کہ دھول اتنی تھی نہیں جتنی وہ محسوس کر رہا تھا۔

کچھ دور گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے اور پھر نسوانی آوازوں اور کھلکھلاہٹوں کی کھنک فضا میں شریک ہونے لگی تھی......اس نے یونہی سرسری انداز سے سر اٹھا کر آوازوں کے تعاقب میں دیکھا تھا کچھ فاصلے پہ دو گاڑیاں کھڑی تھیں اور ایک گاڑی کے بونٹ پہ تین چار لڑکیاں بڑے آزادانہ انداز میں بیٹھی تھیں، ایک دو کے ہاتھ میں چمکتے ریپر میں پیکنگ شدہ ڈبے تھے جو یقیناً گفٹس تھے۔شاید ان میں سے کسی کی آج برتھ ڈے تھی اور وہ یہاں شہر کے ہنگاموں سے دور برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے کی غرض سے آئی تھیں، اس نے ان خوشیوں سے معمور چہروں سے نظریں ہٹالی تھیں اور اپنے پاؤں کے قریب پڑے چھوٹے سے کنکر کو اپنے بوٹ تلے لے کر دبانے لگا تھا۔جس سے وہ کنکر بھی شور کرنے لگا تھا۔وہ اس کنکر کو توڑنا چاہتا تھا۔لیکن وہ تو پہلے ہی ٹوٹ ٹوٹ کر اس حال کو پہنچ گیا تھا کہ مزید ٹوٹنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

''ایکسیوزمی! آپ کے پاس ماچس یا لائیٹر ہوگا؟'' اس کے بے حد قریب سینڈلز کی ٹک ٹک کی چاپ ابھرنے کے بعد نسوانی آواز کی دلکشی جاگی تھی، اس کی نظر اپنے بوٹوں سے ہٹ چکی تھی، کیونکہ اب عین سامنے وائٹ کلر کے باریک ڈوریوں والے سینڈلز میں مقید نازک گداز گلابی پاؤں تھے جن کے ناخنوں پہ پنک کیوٹکس کی گلابیاں بھی ماند لگ رہی تھیں۔

''ہیلو! میں آپ سے مخاطب ہوں مسٹر، آپ کے پاس ماچس یا لائیٹر ہوگا؟'' اس نے اس کی آنکھوں کے سامنے ذرا سا جھک کر چٹکی بجائی تھی، اب کی بار وہ اس کی مخروطی ہاتھوں کی خوبصورتی سے بہلا تھا اور چند سیکنڈ کے توقف سے سر اٹھا کر اس کی جھنجھلائی ہوئی صورت دیکھی تھی جو یقیناً پیچ وتاب کھا رہی تھی۔

''کیا آپ بول سکتے ہیں؟'' وہ جو اس گہری خاموشی سے کوفت زدہ ہو رہی تھی، ذرا چبا کر بولی تھی۔

''یقیناً'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا تھا، وہ چونکی تھی۔

''تو پھر آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟''

''جو ضرورت آپ کو میرے پاس لے کر آئی ہے وہ میں پوری نہیں کر سکتا کیونکہ میں سگریٹ نہیں پیتا۔'' اس کا انداز اور لہجہ لاپروا سا ہو رہا تھا۔

''یہ بات آپ پہلے بھی کہہ سکتے تھے۔'' وہ نہ جانے کیوں بلاوجہ ہی برہم ہوئی تھی، بات کچھ خاص تو نہیں تھی کہ وہ مائنڈ کرتی وہ اجنبی تھا،

اس کی مرضی جو چاہے کہتا یا نہ کہتا، اس پہ کوئی زبردستی تو نہیں تھی۔

''آپ امیر لوگ جی حضوری ہی کیوں سننا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اجنبیوں سے بھی؟'' یکدم اس کا لہجہ تلخ ہوا تھا اور وہ حیرت سے دیکھنے لگی تھی اور وہ اسے طنز کا پتھر مار کر دوبارہ سے سر جھکا کر اپنے سابقہ مشغلے میں مصروف ہو چکا تھا۔ پاؤں کے نیچے کنکر کی شامت آئی ہوئی تھی اور رباب جہانیاں اس عجیب سے شخص کے جھکے ہوئے سر اور بے نیاز انداز کو دیکھ کر بلکہ گھور کے رہ گئی تھی اور پاؤں پٹخ کے مڑ گئی تھی۔

آج اس کا برتھ ڈے تھا اور لکی اپنی فرینڈز کے ساتھ اسے وِش کرنے آئی تھی۔ پھر بیٹھے بیٹھے گھر سے باہر سیلیبریشن کا پروگرام بن گیا تھا اور آتے ہوئے بیکری سے کیک بھی پیک کروالیا تھا، لیکن کینڈل کی رسم نبھانے کے جوش میں لکی نے ہی رُباب کو فٹ پاتھ پہ چند گز کے فاصلے پہ بیٹھے آدمی سے ماچس یا لائیٹر مانگنے کے لئے دھکیلا تھا تاہم رباب نے اسے ٹوکا بھی تھا کہ کینڈل جلانا اتنا ضروری تو نہیں، مگر لکی کا کہنا تھا کہ جب تک شمع کو گل نہ کیا جائے تالیوں کا مزہ نہیں آتا اور لکی کے مزے کو دوبالا کرنے کے لئے رباب اس آدمی کے ہاتھوں بے مزا ہو گئی تھی۔ واپس آئی تو موڈ خاصا بگڑ چکا تھا

''کیا اسے منانے بیٹھ گئی تھیں؟'' لکی نے گھورا۔

''پتہ نہیں کیسا سڑیل سا آدمی ہے؟'' بات بھی یوں کر رہا تھا جیسے پتھر مار رہا ہو۔'' وہ غصے سے بڑبڑائی تھی۔ لیکن کچھ دیر بعد کیک کاٹتے ہوئے اس کا دھیان اس کی طرف سے ہٹ چکا تھا۔ لیکن جب وہ لکی کے برابر بونٹ پہ چڑھ کے بیٹھی تو نظر بے ساختہ سامنے کی طرف اٹھ گئی تھی۔ وہ جھک کر اپنی فائل اٹھا رہا تھا اور یونہی سر جھکائے ڈھیلے ڈھالے قدموں سے واپسی کے لئے مُڑ گیا تھا۔

شام کی سیاہیاں پورے ماحول کے کینوس پہ بڑی سبک رفتاری سے پھیلنے لگی تھیں، لیکن یوں لگ رہا تھا اس سیاہی کا اثر اس شخص پہ کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہو رہا تھا۔ مایوسی اس کے قدم قدم سے لپٹی ہوئی تھی۔ وہ اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی تھی۔ اور وہ اُوجھل ہو گیا۔



وہ عصر کی نماز پڑھ کے آیا تو عارف کی پریشان صورت نظر آئی تھی۔ جس پہ اس نے چھوٹتے ہی تشویش کا اظہار کیا تھا۔

''کیا ہوا پریشان کیوں ہو؟ خیریت ہے نا؟'' اس نے عارف کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''گاؤں سے تمہاری اماں جی کا فون آیا تھا۔ گڈی (گڑیا) سیڑھیوں سے گر گئی تھی ہاسپٹل میں ہے اس کے بازو پہ چوٹ آئی ہے۔ شاید فریکچر ہو گیا ہے۔'' عارف کی بات سن کر اس کے قدموں کے نیچے سے زمین کھسک گئی تھی۔ کھلی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کے سر درد کے لئے ڈسپرین افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ تو پھر ''فریکچر'' تھا اور اس پہ دُہری اذیت کہ گڈی کی چھوٹی سی جان پہ تکلیف کا اتنا عذاب آ پڑا تھا۔ وہ سوچ کر ہی لرز گیا تھا۔ گڈی میں تو ویسے ہی اس کی جان تھی۔

''اور کیا کہہ رہی تھیں اماں؟'' اس نے کھوکھلے سے لہجے میں پوچھا تھا۔

''تمہیں بلایا ہے کہہ رہی تھیں بھرجائی کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں گڈی کو دیکھ کر پھر سے حوصلہ ہار گئی ہیں۔'' عارف اس کی حالت سمجھتا تھا

اسی لئے بے حد آہستگی سے بتا رہا تھا۔

''ہاں! ہارنے کے سوا ہم لوگ اور کر ہی کیا سکتے ہیں؟ یا تو حوصلے ہار دیتے ہیں یا پھر اپنی زندگیاں۔'' اس نے سر سے ٹوپی اتار کر بیڈ پہ پٹخ ڈالی تھی اور خود بھی وہیں ڈھیر ہو گیا تھا۔

''تم بیٹھ رہے ہو؟ جانا نہیں ہے کیا؟ ٹائم دیکھو پہنچو گے کب؟'' عارف کو شاید اس سے بھی زیادہ پریشانی ہو رہی تھی جواباً اس نے جن نظروں سے عارف کو دیکھا وہ سمجھ گیا تھا۔

''دیکھو یار اچھے برے حالات میں ادھار بھی چل جاتا ہے تم مجھ سے چند روز کے لئے روپے ادھار لے لو جب نوکری مل جائے واپس کر دینا۔'' عارف نے بڑے سبھاؤ سے اسے مشورہ بھی دیا اور آفر بھی کر ڈالی تھی۔

''میں اس بات کا قائل نہیں ہوں مجھے کوئی اور حل بتاؤ۔'' اس نے انکار کر دیا تھا۔

''الماری میں میرے روپے رکھے ہیں چوری کر لو یا پھر ساتھ والے کمرے سے کچھ چرا لو کافی امیر لڑکے ہیں سونے کی چین، انگوٹھیاں اور موبائلز تو مل ہی جائیں گے چرا کے بیچ آؤ کافی رقم مل جائے گی، سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

عارف نے تقریباً استہزائیہ انداز اپناتے ہوئے کہا تھا اور لب بھینچ کر اپنے اندر کے ابال کو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا، تاہم مضبوط سینے کے اس پار بیٹھا بے بس دل اپنی گڈی کی تکلیف پہ تڑپ رہا تھا جی چاہ رہا تھا، اک سیکنڈ کی تاخیر کئے بنا ہی اس کے پاس پہنچ جائے اور اس کا تمام درد اپنی ذات پہ لے لے آخر وہ اس کی شہزادی تھی وہ اگر گھر پہ ہوتا تو اسے اپنے سینے پہ سلاتا تھا اور وہ بھی دن بھر چاچو، چاچو پکارتے نہیں تھکتی تھی۔

''دیکھو میں سچ مچ نہیں ادھار دے رہا ہوں یہ رقم میں نے فلیٹ کے کرایہ کے لئے رکھی ہوئی تھی کہ ہر مہینے آسانی سے دیتا رہوں گا، جب تمہارے پاس ہوئی تم واپس کر دینا، ابھی تو سب سے زیادہ ضروری چیز گڈی کا علاج ہے تم یوں مجھ سے غیریت برت کر دیر مت کرو یہ ادھار کا لین دین تو ہماری ماؤں کے درمیان بھی چلتا رہتا ہے۔ میری اماں نے تمہاری اماں سے نہ جانے کتنی بار ادھار لیا اور واپس کیا ہے کیا ہم اپنی ماؤں سے زیادہ اونچی ناک والے ہیں یا پھر ایسا کرنے سے ہماری شان میں کمی آ جائے گی؟'' عارف اسے سمجھا رہا تھا اور وہ عارف کے بے حد اصرار اور مجبور کرنے پہ اس سے رقم ادھار لے کر گاؤں روانہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے دوست کے اتنے خلوص اور اپنائیت پہ دل ہی دل میں مشکور ہو رہا تھا۔



چاچو! میرے ورد..... میرا خون امی روئی اے.....'' گڈی نے ہوش میں آتے ہی جب اسے دیکھا تو فوراً سسکتے ہوئے اپنی تکلیف بتائی کہ مجھے چوٹ آئی درد ہوا خون بھی بہا اور امی بھی روتی رہی ہیں۔

وہ بے اختیار جھک کر اسے پیار کرنے لگا تھا اس کے ماتھے اور بازو پہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور چھوٹے سے ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔

''ڈاکٹر سے دوائی لیں گے تو ذرا بھی درد نہیں ہوگا۔''

''نہیں چاچو درد اے۔'' وہ ہے کوا ے بولتی تھی۔ ابھی اس کے چند الفاظ ہی واضح ہوتے تھے باقی الفاظ کو جیسے آسان لگتا بول دیتی تھی۔

''اب نہیں ہوگا ہم درد کو مار کر بھگا دیں گے۔'' وہ اس کے چھوٹے چھوٹے بالوں کو سہلا رہا تھا۔

''کاشی مارنا اے۔''

ہاں کاشی کو بھی ماریں گے وہ میری گڑیا کو چھت پہ کیوں لے کر گیا۔'' چاچو چھت پہ چڑیا بچے......'' (چھت پہ چڑیوں کے بچے تھے) اس کی بات پہ اسے بے ساختہ پیار آیا تھا، تھوڑی دیر بعد وہ سوگئی تھی اور وہ اس کے بیڈ سے اٹھ کر اماں اور بھرجائی کے پاس آ گیا تھا۔

''آپ دونوں گھر چلی جائیں میں یہاں رک جاتا ہوں، اب وہ پہلے سے بہتر ہے زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے۔'' اس نے کرسی پہ چپ بیٹھی بھرجائی کو دیکھا اور اماں کو اشارہ کیا تھا۔

''نہیں تم تھکے ہوئے آئے ہو گھر جا کر نہا دھو کر کھانا کھاؤ پھر آ جانا۔'' بھرجائی نے اسے مشورہ دیا تھا۔

''بھرجائی کیا آپ کو گڈی ہم سے زیادہ عزیز ہے کیا میں اس کا خیال نہیں رکھ سکتا؟'' وہ جانتا تھا کہ اموشنل ہوئے بغیر وہ وہاں سے نہیں جائیں گی، اس کی بات پہ فوراً نفی میں گردن ہلائی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے لیکن تم جانتے ہو بچہ ماں کے بغیر کیسے سنبھل سکتا ہے۔'' انہوں نے توجیہ پیش کی۔

''اور آپ بھی جانتی ہیں کہ وہ آپ سے زیادہ میرے پاس آسانی سے بہل جاتی ہے اس لئے یہ سنبھالنے اور دیکھ بھال کے جواز فضول ہیں، آپ اماں کے ساتھ گھر چلی جائیں کل آ جایئے گا، اماں آپ انہیں بھی اپنے ساتھ لے جائیں۔'' وہ بہلا پھسلا کر انہیں رضامند کر چکا تھا، لیکن جانے سے پہلے بھرجائی پھر روہانسی ہونے لگی تھی۔

''بھرجائی اپنے آپ کو سنبھالیں آپ کے آنسو ہمیں بھی کمزور کر دیتے ہیں، خاموشی سے بیٹھے دکھ پھر سے چیخ اٹھتے ہیں اور اب تو اتنے نڈھال ہو چکے ہیں اک آنسو بھی نہیں دیکھا جاتا، اب بس کریں اپنے بچوں کے لئے دعا کریں، گھر پہ کاشی اور فانی بھی آپ کے لئے اداس ہو رہے ہوں گے......''

وہ بھرجائی کو کندھوں سے تھام کے تسلی دیتے ہوئے سمجھا رہا تھا، بالآخر وہ چلی ہی گئی تھیں اور وہ ڈاکٹر سے مل کر گڈی کی کنڈیشن معلوم کرنے لگا، جس کے مطابق اس کے بازو کی ہڈی بہت جلد جڑ جانے کے امکان تھے۔ کیونکہ ابھی وہ کافی چھوٹی تھی اور ہڈیاں نرم تھیں۔ دواؤں کے متواتر استعمال اور احتیاط رکھنے سے وہ کام مزید آسان ہو سکتا تھا۔ ڈاکٹر کی تمام ہدایات سننے کے بعد وہ واپس اس کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر آ بیٹھا تھا، وہ پلکیں موندے سو رہی تھی۔



''بھائی چائے لے آؤں؟'' امبرین باورچی خانے سے نکل کر اس کے قریب آ گئی تھی وہ کاشی اور فانی کو لے کر ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔

''نہیں بھئی میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں، ان دونوں کو بٹھاؤ اندر اور کپڑے چینج کروا ن کے!''

''اب تم لوگ گلی میں کھیلنے کے لئے نکلے تو پٹ جاؤ گے مجھ سے، حلیہ دیکھا ہے اپنا؟'' وہ کاشی اور فانی دونوں کو ڈپٹ کے کہہ رہا تھا وہ لوگ

گڈی کو آج ہی ڈسچارج کروا کے گھر لائے تھے اور وہ دونوں گھر والوں کی غفلت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ہی موج مستیوں میں اڑے پھر رہے تھے۔شرارتوں کی حد دونوں پہ ختم تھی۔''باز'' آجانا سیکھا ہی نہیں تھا محلے والوں کا بھی ناک میں دم کر دیتے تھے اور محلے کی ہر دوسری عورت ان کی شکایت لے کر آ رہی تھی۔ وہ ان کو امبرین کی نگرانی میں دے کر خود نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا تھا۔نماز پڑھ کر واپس آیا تو امبرین بے چاری ہانپ رہی تھی وہ کبھی چھت پہ چڑھ جاتے کبھی کمرے میں چھپ جاتے۔ بھرجائی اور ناجیہ نے بھی امبرین کی کوششوں میں حصہ لیا تھا۔

''ہم دونوں خود نہائیں گے۔''سیڑھیوں پہ کھڑے فانی نے شرط رکھی تھی۔

''تاکہ شام تک غسل خانے سے ہی نہ نکلو۔''امبرین نے گھورا تھا۔

''آپ کو اس سے کیا چاہے ہم ساری رات نہاتے رہیں۔''

''آؤ تمہیں ساری رات میں نہلاتا ہوں۔''اس کی اچانک آمد اور آواز پہ جہاں امبرین نے سکھ کا سانس لیا تھا وہیں ان دونوں کی شرائط ہوا ہو گئی تھیں۔

''چاچو وہ ہم تو......''

''نیچے آؤ دونوں، دیکھتا ہوں کتنی دیر نہاتے ہو؟''اس کے سخت لہجے پہ دونوں مرے مرے قدم اٹھاتے نیچے آ گئے تھے اور وہ اپنی قمیص کی آستین فولڈ کر کے تولیہ غسل خانے کی دیوار پہ رکھتے ہوئے انہیں لے کر نہلانے گھس گیا تھا، باہر چارپائی پہ لیٹی گڈی اپنی تکلیف بھول بھال کر ان دونوں کی درگت پہ خوش ہو رہی تھی اور وہ دونوں اکثر جیلس ہوتے تھے کہ چاچو ان سے زیادہ گڈی سے پیار کرتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کے لئے تو وہ تینوں ہی برابر تھے۔ آخر تینوں ہی اس کے بھائی کی اولاد تھے۔

''بھرجائی ان کو کپڑے پہنائیں۔''اس نے باری باری دونوں کو تولیے لپیٹ کر باہر نکالا تھا۔

اور وہ دونوں تولیے لپیٹے صحن میں بچھی چارپائی پہ چڑھ کر اُچھل رہے تھے۔ بھرجائی ان کے کپڑے لے کر آ چکی تھی اور وہ اپنے کپڑوں سے پانی کے چھینٹے جھاڑتا ہوا برآمدے میں آ گیا تھا۔ناجیہ اس کے لئے چائے لے آئی تھی۔ وہ شام سے پہلے چائے ضرور پیتا تھا۔ابھی چائے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اماں اپنی مرغیوں کو ڈربے میں بند کر کے اس کے قریب آ بیٹھی تھیں، چہرے سے پریشان نظر آ رہی تھیں۔

''کیا پریشانی ہے اماں؟''اتنی پریشانیوں میں گھر کے بھی پوچھنا کہ کیا پریشانی ہے؟ بیوقوفی ہی تو تھی۔

''ناجیہ کی ہونے والی نند کی شادی ہو رہی ہے۔''

''پھر؟''وہ کچھ نہ سمجھا تھا۔

''اتنا قریبی رشتہ بنتا ہے کچھ دینا دلانا تو پڑے گا۔''

''کیسا دینا دلانا؟''وہ سمجھ تو گیا تھا مگر دینے دلانے کی نوعیت پوچھنا چاہتا تھا۔

''آج کل ہزار پانچ سو میں تو بات ہی نہیں بنتی اور خالی ہاتھ رقم دینا بھی اچھا نہیں لگتا لڑکی کا سوٹ وغیرہ تو بنانا ہوگا نا۔''

''لیکن اماں میرے پاس تو جتنی رقم تھی گڈی پہ خرچ ہو گئی اب یہ کچھ روپے بچے ہیں اگر اس میں آپ کا کام نکل سکتا ہے تو آپ رکھ

لیں۔''اس نے اپنی قمیص کی سائیڈ والی جیب میں ہاتھ ڈالا اور روپے نکال کر اماں کو تھما دیے جو تین ہزار اور تین سو روپے تھے اور اماں ان روپوں کو مایوسی سے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ کیونکہ انہیں پتہ تھا آج کل کے زمانے میں تیس لاکھ روپے کی کوئی اہمیت نہیں تھی یہ تو پھر......

''آپ کو عارف بھائی نے فون پہ بلایا ہے۔'' باہر دروازے پر عارف کے چھوٹے بھائی نجف نے دستک دے کر پیغام بھی دیا تھا اور وہ تیزی سے اپنے گھر سے نکل آیا تھا، عارف کے گھر کی بیٹھک کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر آ گیا۔

''آپ بیٹھیں ابھی پانچ منٹ بعد فون کریں گے میں آپ کو بلانے چلا گیا تھا، اس لئے فون بند کر دیا تھا۔'' نجف اس سے کہتا بیٹھک کا اندرونی دروازہ کھول کر گھر والے حصے میں چلا گیا تھا اور وہ کرسی پہ بیٹھا فون کا انتظار کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نجف......ٹرے میں مشروب کے دو گلاس لے آیا تھا، جن کی سطح پہ برف کے کیوبز تیر رہے تھے۔

''یار اس کی کیا ضرورت تھی میں ابھی گھر سے چائے پی کر ہی نکلا ہوں جاؤ واپس رکھ آؤ۔'' اس نے منع کرنا چاہا۔

''اب میں بوتلوں میں واپس انڈیلنے سے تو رہا، لے ہی آیا ہوں تو پی لیں ویسے بھی گرمی میں پانی کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔'' وہ ٹرے ٹیبل پہ رکھ چکا تھا اتنے میں فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ ریسیور اسی نے اٹھایا تھا اور دوسری طرف عارف ہی بات کر رہا تھا۔

''تم کل صبح ہی واپس آ جاؤ۔'' خیر، خیریت اور دعا، سلام کے بعد عارف نے عجلت سے کہا۔

''کیوں؟'' وہی عام سا فطری سوال تھا۔ ''تیری جاب کے چانسز لگ رہے ہیں، آج کے اخبار میں دو اچھی کمپنیوں کی طرف سے ضرورت ہے کا اشتہار لگا ہے ایک کمپنی کو میں بھی جانتا ہوں، میرا کزن بھی اسی کمپنی کی ایک برانچ میں کام کرتا ہے ہو سکتا ہے اس کی ہی کوئی سفارش چل جائے......'' عارف اس کے لئے متفکر ہو رہا تھا۔

''عارف تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ''ضرورت ہے'' کا اشتہار دینے والوں کو ضرورت ہوتی نہیں بس وہ دوسروں کی ضرورت ہے کا تماشا دیکھنے کے لئے اشتہار دیتے ہیں کہ کون غربت سے بدحواس ہو کے کس حال میں ان کی سمت دوڑتا ہے اور نوکری کے لئے ایڑیاں رگڑتا ہے اور وہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔'' اس نے زہر خند لہجے میں کہتے ہوئے عارف کی بات جھٹلائی تھی۔

''یار ٹرائی کر لینے میں کیا حرج ہے؟'' اس نے سمجھایا۔

''حالانکہ تم جانتے ہو ٹرائی ہم نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ (امیر لوگ) کرتے ہیں۔'' عارف اس کے جواب پہ جھنجلا گیا تھا۔ ''تو پھر کیا کرو گے؟'' لہجہ خفگی لئے ہوئے تھا۔

''ٹرائی۔''

''کیا مطلب ہے۔؟''

''مطلب ہے کہ صبح آ رہا ہوں کیونکہ اس وقت کوئی چپڑاسی یا چوکیدار کی نوکری پہ بھی رکھ لے تو میں کرنے کو تیار ہوں کیونکہ مجھے ضرورت ہے'' وہ کہہ کے فون رکھ چکا تھا اور وہاں سے اٹھ کے باہر نکل آیا تھا۔ پیچھے نجف آوازیں دیتا رہ گیا تھا۔ اس نے جیسے سنی ان سنی کر دی تھی۔



''پندرہ گھنٹے آن ڈیوٹی رہنا پڑے گا دن بارہ بجے سے رات تین بجے تک شفٹ ہوگی! اگر کر سکتے ہو تو میں یہ جاب تمہیں دینے کو تیار ہوں لیکن کوتاہی کی گنجائش ایک پرسنٹ بھی نہیں ہوگی۔'' میڈم کشور جہانیاں کا لہجہ ہر قسم کی نرمی سے عاری تھا۔

''میں کرنے کو تیار ہوں۔'' اس نے ہامی بھر لی تھی۔

''جانتے ہو ذمہ داری بہت بھاری ہے؟ ریسٹورنٹ ایک پبلک پلیس ہوتا ہے جہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے اور اس ''کچھ بھی'' پہ نظر رکھنا اور احتیاط کرنا تمہارا کام ہوگا اور سٹاف کی سروس میں ذرا سی بھی مس ٹیک پورے ریسٹورنٹ کی ریپوٹیشن خراب کر دیتی ہے۔ جس کی ذمہ داری تم پہ آئے گی......'' میڈم نے اسے جتایا تھا۔

''جانتا ہوں میڈم کہ یہ ذمہ داری، بہت بھاری ہے۔ لیکن میرے گھر کی جو ذمہ داری میرے کندھوں پہ ہے وہ اس سے بھی زیادہ بھاری ہے۔ یہ ذمہ داری اچھے طریقے سے نبھاؤں گا تو کندھوں کی ذمہ داری نبھ سکے گی۔ بہر حال میرے ڈیوٹی آورز میں آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی، البتہ رات تین بجے کے بعد اور دن بارہ بجے سے پہلے کا میں جواب دہ نہیں ہوں گا۔''

اس نے بھی بات واضح کر لینا ضروری سمجھا تھا۔ میڈم نے اس کے اعتماد پہ اسے بطور خاص دوبارہ دیکھا تھا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' بے ساختہ پوچھا گیا تھا۔

''آپ جیسے معزز شہریوں کے لفظوں میں ''پینڈو'' کہا جاتا ہے، آئی مین گاؤں کا رہنے والا ہوں۔''

''اچھا؟ تو تم دیہاتی ہو؟'' انہیں دلچسپی ہوئی تھی۔

''کسی پینڈو کو عزت بخشنا ہو تو آپ اسے ''دیہاتی'' کہہ لیتے ہیں اور کسی دیہاتی کی عزت مجروح کرنا ہو تو اسے ''پینڈو'' قرار دے دیتے ہیں، لیکن مجھے آپ دیہاتی کہہ لیں یا پینڈو مجھے کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا کیونکہ گاؤں میری شناخت ہے۔'' اس کی گفتگو میں ہلکی تلخی میڈم کو بار بار متوجہ کر رہی تھی، انہیں یقین ہو چلا تھا کہ سامنے بیٹھے آدمی کے سینے میں کوئی شاہکار دھڑکتا ہے جو اس کی باتوں کو اور لب و لہجے کو انفرادیت بخش رہا تھا۔

''کچھ زیادہ ہی شاکی لگتے ہو شہر والوں سے؟''

''شہر والے بھی تو ہم سے بے زار رہتے ہیں۔''

''ایسی بات تو نہیں ہے تم غلط سمجھتے ہو۔''

''تو پھر آپ بھی غلط سمجھ رہی ہیں میں شہر والوں سے شاکی نہیں ہوں۔''

''میڈم مسٹر ہمدانی آئے ہیں۔'' انٹر کام پہ اطلاع ملی تھی۔

''اوکے بھیج دو ان کو......'' وہ ریسیور رکھ کے دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''اوکے اینگری مین تم سے پھر کبھی فرصت میں نشست ہوگی فی الحال کچھ کام ہے اور کسی سے ملنا ہے تم کل گیارہ بجے پہنچ جانا ایک گھنٹے میں تمہیں ٹوٹلی کام کی نوعیت سمجھا دی جائے گی۔'' وہ اسے تسلی بخش جواب دے چکی تھیں وہ ان کا شکریہ ادا کرتا کھڑا ہو گیا تھا۔

واپس فلیٹ پہ آیا تو عارف اس کا منتظر تھا جاب مل جانے کی خوشخبری پہ وہ اس سے زیادہ خوش ہو رہا تھا۔



میڈم کشور جہانیاں کے ''رباب ریسٹورنٹ'' کے لئے ایک ذمہ دار انچارج کی ضرورت تھی اور وہ بھی ایک مقررہ مدت تک کے لئے، کیونکہ ان کا پہلا انچارج اپنے ایک فیملی پرابلم کی وجہ سے ملک سے باہر جا رہا تھا اور جب تک وہ واپس نہ آ جاتا اس کی جگہ کسی نئے انچارج کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کے لئے انہیں اخبار میں اشتہار دینا پڑا تھا جو اتفاق سے عارف کی نظروں سے بھی گزرا تھا اور اس نے پہلی فرصت میں اسے بلا لیا تھا، ضرورت کی انتہا اور نیت کی لگن نے یہ نوکری اس کے نصیب میں رکھ دی تھی۔ بے شک میڈم نے اسے کچھ عرصہ کے لئے عارضی طور پر ہی اپائنٹ کیا تھا، مگر فی الحال اس کے لئے یہ بھی بہت تھا کم از کم چند ماہ تو روزگار کی سہولت کا سہارا رہتا اور پھر اس عرصے میں وہ کوئی اور جاب بھی ڈھونڈ سکتا تھا۔

وہ میڈم کشور جہانیاں کے ریسٹورنٹ انچارج کے طور پر کام کر رہا تھا اور اس کی ایک ماہ کی کارکردگی میں میڈم کو کافی خوشگوار اور حیران کن تبدیلیاں دیکھنے کو ملی تھیں، اس نے بہت سی نئی چیزیں متعارف کروائی تھیں، جن سے ریسٹورنٹ کی ساکھ پر اچھا اثر پڑا تھا اور ینگ جنریشن کے لئے دلچسپی بڑھ گئی تھی، البتہ کچھ رولز پہلے سے بھی زیادہ ٹائٹ کر دیئے تھے جن کی طرف خود میڈم کی بھی توجہ نہیں تھی مگر اب ان کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور وقتاً فوقتاً اس کی تعریف کافی کھلے دل سے کرتی رہتی تھیں، لیکن آج انہوں نے پہلی بار اسے اپنے آفس میں بلایا تھا۔

اس نے وال کلاک دیکھا، دن کے چار بجے کا وقت تھا اور میڈم نے اسے جلدی پہنچنے کی تاکید کی تھی وہ گہری سانس لیتا کرسی چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا پھر ریسپشن پہ رک کے اپنے ماتحت منیجر کو کچھ ہدایات دیں اور ریسٹورنٹ سے نکل آیا، آدھے پون گھنٹے میں وہ میڈم کے آفس پہنچ چکا تھا، وہ بھی اسی کا انتظار کر رہی تھی اطلاع ملتے ہی اسے اندر بلا لیا تھا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے اپنے سامنے والی کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''کام کیسا جا رہا ہے؟''

''آپ خود چیک کر سکتی ہیں۔''

''کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔''

''نہیں سب کچھ ٹھیک ہے۔'' وہ ریلیکس سے انداز میں جواب دے رہا تھا۔

''مجھے کل ہی معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس ٹرانسپورٹ کی سہولت نہیں ہے، اس لئے تمہارے لئے ریسٹورنٹ کی طرف سے ہی گاڑی کا انتظار کروایا ہے۔ یہ لو گاڑی کی چابی، جب تک تم یہ جاب کرو گے یہ گاڑی تمہارے استعمال میں رہے گی، اس کے علاوہ تمہیں انگیج منٹ کی ارینج منٹ کے لئے بلایا تھا۔ دراصل یہ پارٹی کافی جلدی میں طے پائی ہے کل شام تک تمام ارینج منٹ ہو جانی چاہئے۔'' انہوں نے اسے چابی تھمانے کے بعد اصل بات بتائی۔ جس کے لئے بلایا گیا تھا۔

''یہ پارٹی کس لیول تک ہوگی؟ مہمانوں کی تعداد اور ارینج منٹ کی نوعیت کیسی ہونی چاہئے ایک نارمل انگیج منٹ یا پھر بہت زیادہ ہائی

لیول پہ؟'' وہ اتنے شارٹ نوٹس پہ پریشان نہیں ہوا تھا بلکہ اپنے مطلب کے سوال پوچھنے لگا تھا۔

''یہ رباب کی ایک بیسٹ فرینڈ کی انگیج منٹ ہے۔ وہ شاید کسی میرج ہال میں ارینج منٹ کروالیتی لیکن مہمانوں کی تعداد اتنی نہیں تھی اس لئے رباب نے اسے اپنے ریسٹورنٹ میں انوائٹ کیا اور تمام Expenses رباب افورڈ کرے گی اور اس کے علاوہ بھی...... لو وہ خود آ گئی ہے تم سارا مسئلہ خود ڈسکس کرلو۔'' اچانک ان کے آفس روم کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا، اس کی چونکہ دروازے کی سمت پشت تھی اس لئے دیکھ نہیں پایا تھا۔

''مام آپ نے اپنے انچارج سے بات کی؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''تم خود کرلو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھے آدمی کی سمت اشارہ کیا تھا اور وہ جو اپنی عجلت میں اس آدمی پہ دھیان ہی نہیں دے پائی تھی فوراً اس کی طرف پلٹی تھی مجبوراً وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' سلام میں پہل کرتے ہوئے نظر اٹھی تھی اور وہی نظر چونک بھی گئی تھی (وہی ماچس یا لائیٹر مانگنے والی لڑکی!) اور رباب نے بھی اسے پہچاننے میں محض چار پانچ سیکنڈ لئے تھے۔ (وہی سگریٹ نہ پینے والا آدمی)۔

''ہیلو۔'' اس نے آہستگی سے کہا تھا نہ جانے کیوں اس کو دیکھ کر رباب کچھ نہ کہہ سکی تھی اتنے میں میڈم اپنے موبائل کی رنگ ٹیون سنتے ہی کھڑی ہو گئی تھیں اور اپنا بیگ بھی اٹھا لیا تھا۔

''دیکھو مائی سن مجھے مسز گیلانی کے ساتھ ایک ویلفیئر پارٹی میں شرکت کرنی ہے تم بیٹھو اور جیسا انتظام کروانا ہے تفصیل سے خود ہی بتا دو۔'' وہ رباب کا گال تھپکتی اسے بھی اللہ حافظ کہتی چلی گئی تھیں اور وہ دونوں اجنبی دیکھتے رہ گئے تھے۔ پھر وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اپنی ماں کی سیٹ پہ جا بیٹھی تھی۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو ہمارے ریسٹورنٹ انچارج مسٹر حامد انصاری تھے پھر آپ؟'' اور دانستہ اپنا سوال ادھورا چھوڑتے ہوئے ایک مکمل استفسار چاہ رہی تھی۔

وہ بھی اس کے ''تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے۔'' کا سوالیہ انداز سمجھ گیا تھا۔

''مسٹر حامد انصاری شاید کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر گئے ہیں اور ڈیڑھ ماہ پہلے میڈم نے مجھے اس جاب کے لئے اپائنٹ کیا ہے اس لئے اب......'' وہ بھی جواب ادھورا چھوڑنے کے باوجود ایک مکمل جواب دے چکا تھا۔

''اوہ...... پھر تو آج آپ کو میری جی حضوری کرنا ہی پڑے گی۔'' وہ اس کی دو ماہ پہلے والی بات کو درمیان لا کر جتا رہی تھی وہ بھی اس کا مطلب سمجھ چکا تھا۔

''یہ جی حضوری نہیں میری جاب ہے۔''

''جاب بھی تو میرے ملازم کی ہے اور ملازم جی حضوری ہی تو کرتا ہے۔'' وہ اپنی اپر کلاس سوسائٹی کی طرح غرور و تفاخر میں رہنے والی لڑکی ہرگز نہیں تھی۔ مگر نجانے کیوں وہ آج اس ''اجنبی'' کے سامنے تفاخر دکھا رہی تھی۔

''ملازم وہ ہوتا ہے جو معاوضہ لیتا ہے اور معاوضہ دے کر جی حضور کروانا کیسا؟'' اس کے اعتماد میں ذرا برابر کمی نہیں آئی تھی اور رباب جہانیاں اندر سے حیران رہ گئی تھی کہ اس روز ایک فٹ پاتھ پہ بیٹھ کر انتہائی مایوس اور مضمحل سے انداز میں بھی اتنا ہی پر اعتماد تھا اور آج اس کے آفس میں اس کے سامنے ملازم کی حیثیت سے بیٹھ کر بھی اتنا ہی پر اعتماد تھا، اگر چہ دونوں ملاقات کی نوعیت یکسر مختلف تھی اور اس روز وہ اس کا تابع نہیں تھا جب کہ آج وہ ہر طرح سے اس کا تابع تھا پھر بھی اتنی خود اعتمادی؟

''میم! مجھے کام بتا دیں تا کہ میں تیاری شروع کر سکوں ورنہ دیر ہو جائے گی۔'' اسے اپنا جائزہ لیتے پایا تو فوراً اپنا کام کہہ دیا اور وہ بھی سر جھٹک کر مکمل سنجیدگی سے اسے اپنا کام تفصیل سے بتانے لگی تھی، تھوڑی دیر بعد وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''سنو۔'' وہ ابھی دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ وہ پیچھے سے پکاری تھی۔

''کہیے۔'' اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''میں جی حضوری کی قائل نہیں ہوں آپ کی اس روز والی بات کی وجہ سے مذاق کر رہی تھی آپ کو برا لگا ہو تو آئی فیل سوری فار دیٹ۔''

اس دفعہ حیران ہونے کی باری اس کی تھی، وہ رباب جہانیاں کو دیکھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔ جتنی تیکھی اور گھمنڈی وہ دیکھنے میں نظر آتی تھی اندر سے وہ اتنی ہی نرم گرم مزاج کی مالک تھی۔

''کیا آپ کو زیادہ برا لگا؟'' وہ اس کی خاموشی پہ قریب آ گئی تھی۔

''نو! اٹس او کے۔'' وہ متوجہ ہوتے ہوئے فوراً نفی میں گردن ہلا کر اللہ حافظ کہتا چلا گیا تھا۔

۞......۞......۞

اگلے روز شام چھ بجے وہ پارٹی کی تمام ارینج منٹ دیکھنے کے لئے خود ریسٹورنٹ آ گئی تھی۔ تب وہ اسٹیج کی آرائش کو کمپلیٹ کرواتے ہوئے ایک آخری اور مطمئن سی نگاہ سے دیکھ رہا تھا پھر پورے ہال کا جائزہ لینے کے بعد واپس پلٹا تو سامنے سے آتی رباب جہانیاں کو دیکھ کر ٹھہر گیا۔

''کام مکمل ہو گیا؟''

''جی بالکل۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ہال اور اسٹیج کو دیکھنے پہ اکسایا تھا اور وہ حقیقتاً اتنی اچھی ارینج منٹ دیکھ کر خوش بھی ہوئی اور مطمئن بھی۔

''کسی چیز کی کمی ہو تو آج ابھی بتا سکتی ہیں۔ ابھی دو گھنٹے کا وقت ہے مزید بہتر انتظام ہو سکتا ہے۔''

''نہیں سب کچھ پرفیکٹ ہے دیٹ از گریٹ۔'' اس نے برملا سراہا تھا اور وہ ریلیکس ہو گیا تھا۔

''تھینک یو۔''

''سر نیچے ایک کپل اپنی ویڈنگ اینورسری سیلیبریٹ کرنا چاہتا ہے آپ پلیز۔'' ایک ویٹر نے آ کر اطلاع پہنچائی تھی۔

''ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔'' اس نے کہہ کے رباب کی سمت دیکھا۔

''اوکے میم آپ سے تھوڑی دیر بعد ملاقات ہوتی ہے تب تک میں نیچے جا کر انتظامات دیکھ لوں۔'' وہ اجازت طلب کرنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اوکے آپ جا سکتے ہیں۔'' اس نے سر ہلا دیا اور اپنے بیگ سے گاڑی کی چابی نکالتی ہوئی خود بھی سیڑھیوں کی سمت بڑھ گئی تھی لیکن کچھ یاد آنے پہ اپنے سے آگے سیڑھیاں اترتے اپنے اس انچارج کو پکارا تھا۔

''سنیے۔''

''جی کہیے؟''

''نام کیا ہے آپ کا؟'' وہ اس کے سوال پہ پل بھر کو ٹھٹکا پھر آہستگی سے بتایا......

''سکندر رحمٰن......'' کہہ کے وہ رکا نہیں اور فوراً چلا گیا تھا وہ بھی باہر آ گئی۔ اب اسے گھر سے سب کے ساتھ (فرینڈز کے ساتھ) تیار ہو کر آنا تھا خود میڈم کشور جہانیاں بھی اس ہلکی پھلکی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے آ رہی تھیں اور پورا اسٹاف کافی الرٹ تھا جب کہ وہ خود پرسکون اور مطمئن تھا۔

دو گھنٹے اس کے دیگر مصروفیات میں گزر گئے تھے۔ رفتہ رفتہ مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ وہ کافی مصروف تھا جب عارف کی کال آ گئی۔

''خیریت اس وقت؟''

''ہاں میں صبح گاؤں جا رہا ہوں اور جب میں جاؤں گا تب تم سو رہے ہو گے اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ شاید تم نے کوئی پیغام وغیرہ بھجوانا ہو؟''

''ارے ہاں پیغام وغیرہ تو بھجوانا ہے بلکہ بچوں کے کچھ کھلونے اور کپڑے بھی لے کر رکھے ہوئے ہیں وہ بھی بھیجنے ہیں اور اماں جی کو رقم کی

بھی ضرورت تھی۔'' وہ ریسٹورنٹ کے فرسٹ فلور پہ کھڑا نیچے گراؤنڈ فلور کو بھی دیکھ رہا تھا۔

''پھر کیا کرنا ہے؟'' ایسا کرتے ہیں کہ میں جب واپس آؤں گا سب کچھ نکال کر ٹیبل پہ رکھ دوں گا تم لے جانا یا پھر تم مجھے صبح کو ہی جگا لینا دراصل الماری کی چابی میری جیب میں رہ گئی ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر جیسے تمہاری مرضی۔'' عارف نے اللہ حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔

''رباب وہ اسکائی بلیو شرٹ والا آدمی کون ہے؟'' اس کے عقب سے کسی کی آواز ابھری تھی مگر اس نے مڑ کر دیکھنا مناسب نہیں سمجھا تھا کیونکہ اس وقت اس نے ہی سکائی بلیو شرٹ پہن رکھی تھی۔

''ہمارا نیا انچارج ہے۔'' وہ جواب دیتی پاس سے گزر گئی تھی اور اسے پتہ چلا کہ استفسار کرنے والی لڑکی ''لکی'' رباب جہانیاں کی بیسٹ فرینڈ تھی جو بعد میں بھی ایک دو بار سامنا ہونے پہ اسے بغور دیکھتی رہی تھی جب کہ وہ لڑکیوں کو دیکھنے سے خار کھاتا تھا، اکثر اس کی نظر نیچے رہتی تھی۔



''کہاں تھیں تم؟ وہ سنی تمہیں پوچھ رہا تھا۔'' وہ راہداری سے گزر کر کمپیوٹر لیب میں جانا چاہ رہی تھی۔ جب آئمہ اچانک اس کے سامنے آ گئی تھی۔

''کیوں سنی کیوں پوچھ رہا تھا؟''

''یہ تو تم اسی سے پوچھ لو وہ دیکھو ادھر ہی آ رہا ہے۔''

''ہائے گرلز۔'' اس نے قریب آتے ہی اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

''آئمہ بتا رہی تھی تم میرا پوچھ رہے تھے کوئی کام تھا؟''

رباب کو کمپیوٹر پہ اپنی ایک اسائنمنٹ مکمل کرنا تھی اس لئے جلدی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''کچھ کام یوں سرعام بتانے کے بھی نہیں ہوتے رباب ڈیئر کبھی سوچنے کی زحمت ہی کر لیا کرو۔'' اس کا انداز ہی نہیں آج لب ولہجہ بھی کچھ اور طرح کا ہو رہا تھا اور رباب کو حقیقتاً اس کا انداز بُرا لگا تھا۔

''میں تم سے بعد میں ملتی ہوں۔'' وہ کہہ کے کمپیوٹر لیب کا دروازہ دھکیل کر اندر چلی گئی تھی آئمہ اور سنی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے تھے اور پھر وہ آئمہ کے ساتھ کیفے کی سمت مڑ گیا تھا۔

دو گھنٹے بعد جب وہ تمام کام نپٹا کر نکلی تو سنی اسی کا منتظر کھڑا تھا۔

''اب بتاؤ کیا بات ہے؟''

''اب لنچ ٹائم ہو رہا ہے اور میرا خیال ہے ہماری بات لنچ کے دوران ہی ہو سکتی ہے۔ اتنی دیر سے انتظار کر رہا تھا اب تو بھوک سے برا حال ہے۔''

''دیکھو سنی لکی کی طبیعت ٹھیک نہیں مجھے اس کی طرف جانا ہے تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو ابھی کہہ دو پلیز اتنا سسپنس مت پھیلاؤ مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' اس نے خفگی سے کہا۔

''میں سسپنس نہیں پھیلا رہا صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ لنچ پہ چلو پھر بات کرتے ہیں۔'' سنی بھی ابن ڈھیٹ تھا یہ الگ بات تھی کہ وہ رباب کے سگے ماموں کا بیٹا تھا۔ یعنی کزن تھا لیکن اتنا قریبی اور گہرا رشتہ ہونے کے باوجود وہ اس سے بچ کے رہتی تھی کیونکہ جو مزاج وہ رکھتا تھا وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا تھا۔

''اگر تمہاری بات اتنی ہی اہم ہے تو ابھی کہہ دو اور اگر نہیں تو پھر گڈ بائے.....'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گئی تھی۔

''رباب! رباب رکو پلیز!'' وہ لپک کے اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''میں لیٹ ہو رہی ہوں۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اپنی گاڑی کی سمت بڑھ رہی تھی، سنی کی بات کو اگنور کر دیا تھا اور سنی اس کی حرکت پہ تلملا اٹھا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی نکالتے ہوئے میڈم کشور جہانیاں کے آفس کا رخ کیا تھا۔ آخر اسے پھوپھی کے سامنے شکایت بھی تو کرنا تھی جب کہ رباب پہلے ہی اس کی ڈھکی چھپی معنی خیز گفتگو اور بے باک انداز سے چڑتی تھی اور اب سرعام اس کے لوفرانہ اور بے ہودہ انداز و بیان سے نفرت کی حد تک خار کھانے لگی تھی، وہ حد سے بڑھنے لگا تھا۔



''رابی بیٹا میری بات سنو.....'' اسے سیڑھیوں کی سمت بڑھتے دیکھ کر میڈم کشور جہانیاں نے اسے بے ساختہ پکار لیا تھا البتہ ''رابی'' سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بے حد سنجیدہ ہیں ورنہ وہ اسے بہت پیار سے ''رباب'' ہی کہتی تھیں اور اس کا یہ نام رباب کافی فیمس تھا۔ ریسٹورنٹ سے لے کر کمپنی کی تیار کردہ تمام پروڈکٹس میں بھی یہی نام استعمال ہوتا تھا قریبی جاننے والے اور اس کے فرینڈز بھی اسے رباب ہی کہتے تھے۔

''یس مام؟'' وہ سیڑھیوں کی ریلنگ سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے ان کے قریب آ گئی تھی، وہ ڈرائنگ روم کے اس حصے میں بیٹھی تھیں جس سے سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔

''بیٹھو مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی۔''

''جی کہیے اتنی احتیاط کیوں کر رہی ہیں؟''

''تم جانتی ہوناں چند روز پہلے مسز گیلانی اور مسٹر گیلانی اپنے بیٹے کا پرپوزل لے کر آئے تھے۔''

''آف کورس جانتی ہوں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں نے اس پرپوزل سے انکار کر دیا تھا.....'' اس نے کندھے اچکائے تھے۔

''لیکن بیٹا اب ایک اور پرپوزل آیا ہے اور یہاں انکار اور اقرار دونوں ہی مشکل ہیں خود سوچ میں پڑ گئی ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھیں بلکہ ڈسٹرب تھیں مگر اپنی ڈسٹربنس ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھیں۔

''کس کا پرپوزل ہے؟'' اسے زیادہ دلچسپی تو نہیں تھی پھر بھی پوچھ لیا تھا۔

''بھائی صاحب اور بھابی بیگم آئے تھے سنی کے لیے تمہارا ہاتھ مانگنے اور جواب اقرار میں چاہتے ہیں۔''

''کیا؟ سنی کے لیے؟'' وہ یکدم کرنٹ کھا گئی تھی ایسا ہی کرنٹ میڈم کشور جہانیاں کو بھی لگا تھا، لیکن وہ بھائی اور بھابی کے سامنے اپنے

تاثرات چھپا گئی تھیں اور رباب سے بات کرنے کا وقت لے لیا تھا۔

''ہاں ان کا کہنا ہے سنی تمہیں پسند کرتا ہے اور سنی کی خواہش پہ ہی وہ یہاں آئے ہیں، کل سنی خود بھی مجھ سے ملنے آفس آیا تھا، لیکن میں آفس میں نہیں تھی، اس لئے اس کی مجھ سے بات نہیں ہوئی......''

''لیکن مام آپ سنی کے کریکٹر کو اچھی طرح جانتی ہیں، وہاں امریکہ میں اس نے کیا کیا گل کھلائے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے تو نہیں ہیں اور جو کچھ وہ یہاں کر رہا ہے وہ بھی ہضم کر لینے کے قابل نہیں، روز اس کی بانہوں میں کوئی نیا وجود بکھر رہا ہوتا ہے اور وہ...... وہ چلا ہے مجھ سے شادی کرنے...... نو اِٹس امپاسبل ٹوٹلی امپاسبل۔'' وہ کہتی ہوئی صوفے سے کھڑی ہو گئی تھی۔ پیچھے سے انہوں نے پکارا بھی تھا مگر وہ نہیں رکی، اس نے انکار کرنا تھا سو کر دیا تھا اب اس کی ماں جانتی اور ماموں جانتا!



''لکی میں اس سے شادی کروں گی جو صرف مجھ سے محبت کرے گا! جو صرف میرا ہو گا، صرف میرا۔'' وہ نسوانی آواز پہ چونک گیا تھا اور آواز کے تعاقب میں نگاہ دوڑائی تو رباب جہانیاں اپنی فرینڈ لکی کے ساتھ شاپنگ مال کے پارکنگ ایریا سے نکلتی دکھائی دی ان کا رخ شاپنگ مال کے اندرونی حصے کی سمت تھا اور وہ بھی اسی سمت جا رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے وہ تم سے محبت کرتا ہی ہو۔''

''سنی، محبت اور ہوس تین الگ الگ چیزیں ہیں اور ان تین چیزوں میں صرف دو چیزیں اکٹھی ہو سکتی ہیں ''سنی اور ہوس'' کیونکہ محبت ان دونوں چیزوں سے کوسوں دور ہے۔ محبت سنی کے قریب اور سنی محبت کے قریب ہرگز نہیں آسکتے۔'' وہ دونوں باتیں کرتی ہوئیں تھرڈ فلور پہ جانے کے لئے بٹن پش کرتے ہوئے لفٹ میں داخل ہو گئی تھیں اور وہ جوان کے پیچھے چلا آ رہا تھا اطمینان سے سیڑھیاں طے کرتا سیکنڈ فلور پہ آ گیا تھا۔

بڑے دنوں بعد شاپنگ کی ضرورت پیش آئی تھی اپنے لئے کچھ خریدنا ہوتا تو وہ اتنے مہنگے شاپنگ سینٹر کا انتخاب ہرگز نہ کرتا لیکن وجہ یہ تھی کہ اس کی بہنوں، بھرجائی اور ماں کو یقیناً کپڑوں کی ضرورت تھی۔ بے شک پچھلے سرما کے کپڑے اس دفعہ بھی استعمال ہو سکتے تھے مگر نئی چیز کا شوق کسے نہیں ہوتا؟ اگرچہ انہوں نے کوئی فرمائش بھی نہیں کی لیکن وہ پھر بھی گھر جاتے ہوئے سب کے لئے شاپنگ کرنا چاہ رہا تھا اور اپنی گڈی کے لئے خصوصاً شاپنگ کا ارادہ تھا، البتہ کاشی اور فانی کے لئے بیٹ اور بال ہی لے جاتا تو ان کی عید ہو جاتی، وہ امبرین اور ناجیہ کے لئے کپڑے نکلوا کے دیکھ رہا تھا، جب وہ لکی کے ساتھ شاپ میں داخل ہوئی تھی......اور اس کی نظر بالکل سامنے کھڑے سکندر رحمٰن پہ پڑی تھی۔

''سکندر صاحب آپ یہاں؟'' وہ قریب آتے ہوئے بے ساختہ بولی تھی، جیسے ایک مرد کا لیڈیز کلاتھ سینٹر میں موجود ہونا کوئی انہونی یا پھر نا قابل یقین بات ہو......

''السلام علیکم......'' وہ اپنی پینٹ کی جیب سے والٹ نکالتے ہوئے چونک کر پلٹا تھا اور پھر ان دونوں کو دیکھ کر سلام کیا تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ سیلز مین کو کپڑے پیک کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے دوبارہ اس کی سمت متوجہ ہوتے ہوئے حال احوال پوچھنے کی

فارمیلٹی نبھانے لگا تھا۔

''ایم فائن......لیکن آپ یہاں کیسے؟'' اس نے زنانہ ملبوسات کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''کیوں کیا میرے گھر میں خواتین نہیں ہوسکتیں۔''

اس دفعہ وہ ذرا دلچسپی سے بولا تھا۔

''تو کیا آپ شادی شدہ ہیں؟'' وہ اس کے آرڈر پہ کلرفل پرنٹڈ گرم کاٹن کے اور کچھ ریشمی سوٹ پیس پیک ہوتے دیکھ کر جو اندازہ لگا سکی تھی وہی کہہ دیا تھا۔

''کیا گھر میں صرف بیوی کے لئے ہی شاپنگ ہوسکتی ہے؟'' وہ الٹا اس سے سوال کر رہا تھا۔

''نہیں......وہ میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ یہ کپڑے کسی ایجڈ خاتون کے نہیں ہوسکتے آئی مین آپ کی ماں کے لئے......'' بے وجہ ہی دونوں بحث میں پڑ گئے تھے۔

''ماں اور بیوی کے علاوہ بھی کچھ مقدس رشتے ہوتے ہیں اور ان رشتوں میں بہنوں اور بھرجائی کا رشتہ بھی آتا ہے جو ماں جیسا ہی رتبہ رکھتے ہیں۔'' اس نے روپے نکال کو کاؤنٹر پہ پے منٹ کی اور رسید لے کر بیگ تھام لئے تھے۔

''اوہ؟ گویا آپ اپنی بہنوں اور بھرجائی کے لئے شاپنگ کر رہے ہیں۔امیزنگ۔'' وہ سن کر حقیقتاً حیران ہوئی تھی۔

''اس میں حیرانی والی کیا بات ہے؟''

''بات ہے تو سکندر صاحب میں نے ہمیشہ مردوں کو خواتین کی شاپنگ پہ گھبراتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسری بات یہ کہ ان کو کچھ خریدنے کا ڈھنگ نہیں ہوتا اور جو ڈھنگ ہوتا ہے وہ صرف بیوی کی شاپنگ کے لئے ہوتا ہے۔ماں اور بہنوں کے لئے تو وہ۔''

''دیکھئے میم!میں ایک حقیقت پسند آدمی ہوں اور ایک پریکٹیکل لائف کو آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ رشتوں اور محبتوں کو بھی آگے بڑھانا چاہتا ہوں،جس کے لئے یہ سب ضروری بھی ہے اور میری خوشی بھی......''

''میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔'' اُس نے الجھن سے دیکھا لگی اس کی فضول کی تکرار سے بیزار ہونے لگی تھی۔اپنے دھیان میں چلتے چلتے وہ شاپ سے باہر آگئے تھے اور دونوں کو ہی خیال نہیں تھا کہ وہ کتنے حساس موضوع پر کتنی لاپروائی سے بات کر رہے ہیں۔

''میری بات اتنی مشکل بھی نہیں ہے میں دراصل یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ مرد ہمیشہ گھر والوں کے لئے محنت کرتا ہے۔روپے کماتا ہے اور اپنی کمائی،اپنی محنت اپنے گھر والوں کو ہی دیتا ہے،لیکن اگر اسے ''دینے'' میں اچھا طریقہ اور اپنی خوشی بھی شامل کرلے تو اس کمائی اور محنت کے نتائج توقع سے بڑھ کر ہوسکتے ہیں۔

ماہانہ رقم ماں بہنوں کی ہتھیلی پہ رکھ دینا ہی ضروری نہیں ہوتا کچھ باتیں کچھ ضرورتیں ''رقم اور ہتھیلی'' کے علاوہ بھی بہت اہم اور ضروری ہوتی ہیں لینے والی ہتھیلی ہمیشہ روپے ہی نہیں مانگتی کبھی کبھی یہی ہتھیلی پیار بھی چاہتی ہے اس ہتھیلی پہ پیار بھی رکھنا چاہئے اور ویسے بھی ماں اور بہنیں ہماری

ذات کی تعمیر کرتی ہیں۔ تعمیر پہلے ہوتی ہے، تکمیل (بیوی) بعد میں اس لئے پہلا درجہ تعمیر والوں کا ہے اور دوسرا تکمیل والوں کا......

اور ہاں میں باقی مردوں کی طرح نخرہ کرنا نہیں جانتا جب گھر میرا ہے ماں، بہن میری ہیں تو پھر ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں عار کیسا اور بے زاری کیسی کوئی محلے دار تو یہ کام کرنے سے رہا! خیر ہماری بات کچھ زیادہ ہی طویل ہوگئی ہے اور مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔ فی الحال آپ مجھے اجازت دیجئے اللہ حافظ۔"

وہ اچانک اپنی بات سمیٹتا ہوا شائستگی سے کہتا چلا گیا تھا اور وہ دونوں مزید حیران رہ گئی تھیں انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی مرد بھی ایسا سوچ سکتا ہے شاید اس لئے کہ ان کی سوسائٹی میں یہی "رقم اور ہتھیلی" والا کام ہی ہو رہا تھا کسی کو خوشی اور پروا کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بس اپنے "مطلب سے مطلب" تھا۔



"رباب نے انکار کردیا؟" سنی کے والد محترم ذاکر حمید ایک دم جیسے اُچھل پڑے تھے جب کہ کشور جہانیاں یونہی سنجیدگی سے بیٹھی رہی تھیں۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" وہ یقین ہی نہیں کر رہے تھے۔

"یہ تو میں نہیں جانتی البتہ جو کچھ اس نے جواب دیا ہے وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے در حقیقت وہ ابھی مزید پڑھنا چاہتی ہے۔"

"تو ہم نے کب پڑھنے سے منع کیا ہے؟ خود سنی بھی تو پڑھ رہا ہے وہ شادی کے بعد بھی پڑھتی رہے گی۔"

اب کی بار وہ لہجے کو نرم اور شہد آگیں بناتے ہوئے بولے تھے۔

"لیکن بھائی صاحب سنی اور رباب کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے، دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے وہ اگر شادی نہیں کرنا چاہتی تو میں اس پہ کوئی دباؤ نہیں ڈالوں گی۔" انہوں نے بے حد دوٹوک اور واضح بیان دیا تھا جسے سن کر ذاکر حمید کا دماغ ایک دفعہ تو جیسے گھوم کر رہ گیا تھا پھر کنٹرول کرتے ہوئے بات کو سنبھالنے کی اور سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"کشور! یہاں تم غلط کر رہی ہو تمہیں رباب کو سمجھانا چاہئے۔ سنی اسے پسند کرتا ہے اور تم خود بھی بچپن سے سنی کو اپنا بیٹا کہتی آئی ہو اور میں نے بھی رباب کو ہمیشہ اپنی بہو کی نظر سے دیکھا ہے...... اور اب جب فیصلے کا وقت آیا ہے تو تم مکر رہی ہو۔" ذاکر حمید کسی بھی طور رباب کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ وہ چلتی پھرتی ایک بہت بڑے خزانے کی کنجی (چابی) تھی اور وہ یہ کنجی اپنے ہاتھ میں محفوظ کر لینا چاہتے تھے جس کو محفوظ کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا "سنی سے شادی" وہ خود بھی اس کی دولت کا دیوانہ اور اس کے حُسن و خوبصورتی کا شیدائی تھا، باپ کو صرف دولت چاہئے تھی۔ جبکہ بیٹے کو دولت کی بانہوں میں لپٹا حسن بھی چاہئے تھا، لیکن کشور جہانیاں استادوں کی بھی استاد تھیں ان کی کچھار سے رباب جیسا تر نوالہ حاصل کر لینا بھی آسان نہیں تھا وہ رباب جیسے ہیرے کی حفاظت ناگن کی طرح کرتی تھیں انہیں اپنی بیٹی کے علاوہ کسی کی پروا نہیں ہوتی تھی۔ دوسروں کا احساس انہیں ذرا کم ہی ہوتا تھا۔

"میں سنی کو اپنا بیٹا سمجھتی نہیں تھی بلکہ اب بھی سمجھتی ہوں اور میں نے حقیقتاً دونوں کی شادی کا سوچا بھی تھا مگر جو گل وہ اب تک کھلا چکا ہے وہ

میری برداشت سے باہر ہیں وہ ''میری رباب'' جیسی لکڑی ڈیزرو نہیں کرتا اسے اس جیسی ہی لڑکی ملنی چاہئے فلرٹی اور کرپٹ۔'' اتنی سخت بات بھی وہ اتنے نرم میٹھے انداز میں کہتیں کہ سامنے والا دانت کچکچا کے رہ جاتا تھا۔

''کیسی باتیں کرتی ہو اس عمر میں کون عیاشی نہیں کرتا؟ مرد تو مرد آج کل تو عورتیں بھی اس کام میں پیچھے نہیں ہیں لڑکی ہر لڑکا بانہوں میں بانہیں ڈالے گھوم رہے ہیں ہوٹلز اور کلب بھرے پڑے ہیں آج کل کی نسل کی عیاشیوں سے۔''

''لیکن بھائی صاحب آپ شاید بھول رہے ہیں کہ میری رباب ''ایسی'' نہیں ہے۔'' ان کے لہجے میں یقین اور فخر تھا۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟ تم کون سا ہر وقت اس کے ساتھ ہوتی ہو؟'' ان کا لہجہ آگ اور بات گولی کی طرح میڈم کشور جہانیاں کے دل کو فنا کر گئی تھی چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''میں اس لئے ایسا کہہ سکتی ہوں کہ میں اس کی ماں ہوں بے شک میں اس کے ساتھ نہیں ہوتی مگر میرا اعتماد میرا یقین اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ جس باپ کی اولاد ہے وہ بدکردار نہیں تھا، بدکرداری صرف آپ کی ذات کا حصہ ہے اور یہ بدکرداری میں اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دوں گی اور آج کے بعد میں نے آپ کے منہ سے اپنی بیٹی کے لئے ایسا ویسا لفظ بھی سنا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، بے شک آپ میری ماں کی اولاد ہیں، لیکن ماں کی اولاد کا اپنی اولاد کے لئے کوئی اچھا برا فیصلہ کوئی زور زبردستی میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی اور آپ جانتے ہیں مجھے صرف کہنا ہی نہیں آتا، کرنا بھی آتا ہے۔'' بے حد نرم اور میٹھا بولنے والی کشور جہانیاں غصے میں تپ کر لوہے کی طرح دہک اٹھی تھیں۔ اور انگلی اٹھاتے ہوئے انہیں ایک ایک بات یاد کروائی تھی۔

''رباب میری بھانجی ہے مجھے اپنی دونوں بیٹیوں کی طرح ہی عزیز ہے میں اس کے بارے میں غلط کیوں بولوں گا؟ میں تو صرف بات برائے بات کہہ رہا تھا کہ آج کل کی نسل پہ کیسا اعتبار اور اعتماد؟ یہ لڑکے لڑکیاں کیا نہیں کر لیتے بڑی سے بڑی حد پار کر جانا بھی ان کے لئے مذاق اور دوستی بن چکا ہے۔ اب یہی دیکھ لو یونیورسٹی میں رباب کے گروپ میں کتنے لڑکے ہیں؟ دوستی کے نام پہ کچھ بھی کر لیتے ہیں، ایسا ہی کچھ اگر سنی کرتا ہے تو یہ کوئی بڑی بات تو نہیں ہے، یہ سب کچھ تو وہ محض انجوائے منٹ کے لئے کرتے ہیں ورنہ پیار و محبت تو میاں بیوی میں ہی ہوتا ہے...... اور رباب بھی سنی کی بیوی......؟''

''نہیں۔'' کشور جہانیاں نے بات کاٹ کر جملہ مکمل کیا تھا۔

''آپ یہاں سے جا سکتے ہیں! میرے کچھ مہمان آ رہے ہیں، مجھے ان کو ٹائم دینا ہے اور میں تھوڑی دیر فریش ہونا چاہتی ہوں، پلیز آپ مائنڈ مت کیجئے گا۔'' انہوں نے ایک دم صوفے سے اٹھتے ہوئے بات ہی ختم کر ڈالی اور ان کو باہر کا یعنی اب دفع ہو جانے کا رستہ دکھایا تھا۔ ذاکر حمید کے چہرے پہ طمانچہ پڑا تھا مگر اس طمانچے کی جلن کو دباتے ہوئے پھر بھی اپنی کوشش سے باز نہیں آئے تھے۔

''فرصت سے بیٹھ کر سوچنا اس شہر میں ہمارے سوا تمہارا کوئی اپنا نہیں ہے اور بیٹی کسی ''غیر'' کے ہاتھ میں مت دینا غیر مارتے ہیں تو چھاؤں میں نہیں ڈالتے......'' وہ کہہ کے چلے گئے تھے کشور جہانیاں دانت پیس کے رہ گئی تھیں۔

''جب مار ہی دیتے ہیں تو پھر اپنا کون؟ اور پرایا کون۔ مرنے کے بعد دھوپ اور چھاؤں کی فکر سے انسان ویسے ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر کسی اپنے کا احسان لینے کا فائدہ؟ اور ویسے بھی جو میری جڑیں کاٹنے کے درپے ہوں مجھے ایسے ''اپنے'' ہرگز نہیں چاہئیں۔'' انہوں نے نفرت سے سوچ کر سر جھٹکا تھا۔



چھوٹی سی پکی سڑک شروع ہوئی تو سڑک کی دونوں سائیڈوں پہ لگے درختوں کی چھاؤں بھی شروع ہوگئی تھی۔ ماحول میں خنکی کے باوجود اس نے اپنی سائیڈ کا شیشہ نیچے کرلیا تھا۔ درختوں کے جھنڈ سے پرندوں کی پرشور چیخ و پکار گاڑی ڈرائیو کرنے کے باوجود اس کی سماعتوں کو بہت بھلی لگی تھی۔ وہ تین مہینوں بعد واپس گاؤں آیا تھا اور گاڑی اپنے گاؤں کی سمت جانے والی سڑک پہ ڈالتے ہوئے اسے ایک دم سکون کا احساس ہوا تھا۔ یوں جیسے وہ کسی محبت اور اپنائیت بھری رہ گزر پہ آ گیا ہو موڈ خود بخود ہشاش بشاش ہونے لگا تھا۔

گاڑی کی سائیڈ سے کبھی کوئی تانگہ گزر رہا تھا اور کبھی ''چنگ چی رکشہ'' اور ان تانگوں اور رکشوں میں بیٹھے وہ لوگ جو ان کی جان پہچان والے تھے اسے گاڑی میں دیکھ کر آنکھیں پھیلا کر حیران ہو رہے تھے۔ ایک دو نے تو باقاعدہ ہاتھ ہلا کر اشاروں سے پوچھا بھی تھا اور وہ کوئی جواب ہی نہیں دے سکا تھا۔ وہ ہمیشہ یا تو اپنے گاؤں کا سفر پیدل طے کرتا تھا یا کبھی کبھار تانگہ کو زحمت دینی پڑ جاتی تھی۔ گاڑی کا سفر پہلی مرتبہ ہو رہا تھا۔ حیران تو سب کو ہونا تھا۔ اڈے سے اپنے گاؤں تک دو کلومیٹر کا راستہ اس نے بڑی بے دھیانی میں طے کیا تھا۔ گاڑی کی سپیڈ کافی کم تھی، اسی لئے اسے چند منٹ کا راستہ بھی کافی طویل لگا تھا۔ گاؤں کی حدود شروع ہوتے ہی ایک اور سڑک شروع ہوتی تھی۔ جو گاؤں میں داخل ہونے کے لئے معاون ثابت ہوتی تھی۔ مگر افسوس یہ سڑک کچی اور ناہموار تھی بلکہ گاؤں کی کچھ گلیوں کا بھی یہی حال تھا کیونکہ اس سڑک اور گلیوں کی تعمیر کے لئے ملنے والی گرانٹ اکثر ناظم اور نائب ناظم مل کر ہضم کر جاتے تھے اور ریکارڈ لگ جاتا کہ گلیاں اور سڑک تعمیر ہوگئی ہیں جب کہ گاؤں کے لوگ کچی نالیوں، ٹوٹی پھوٹی سڑکوں اور گلیوں کی تعمیر ہونے کے انتظار میں ہی رہ جاتے تھے۔ ہر سال کوئی ٹھیکیدار گلیوں کا جائزہ لینے آتا تھا اور ہمیشہ کے لئے جائزہ لے کر چلا جاتا تھا مگر حال ابھی تک وہی تھا وہ کچی سڑک پہ گاڑی ڈالتے ہوئے اپنے حواسوں میں لوٹ آیا تھا، کچھ دیر بعد وہ ہر کھڈے سے جمپ لینے کے بعد اپنے گھر کے دروازے پہ گاڑی روکے ہارن دے رہا تھا۔

بڑا سا لکڑی کا دروازہ اماں ہی نے کھولا تھا اور اسے گاڑی میں دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں، ان کی حیرانی دور کرنے کے لئے وہ گاڑی سے اتر آیا تھا۔ ''السلام علیکم اماں'' اس نے ان کے سامنے جھکتے ہوئے سلام کیا تو انہوں نے بھیگی آنکھوں سے دیکھ کر اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

''ماں صدقے جائے میرا پتر کتنے دنوں بعد آیا ہے۔''

وہ اس کی پیشانی اور بال چومتے ہوئے اس کے کندھوں پہ بھی ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

''چاچو'' کاشی اور فانی اسے دیکھ کر خوشی سے چیخ اٹھے تھے، اس نے بے اختیار دونوں کو جھک کر لپٹا لیا تھا۔

''کیسے ہو میری جان؟'' انہیں پیار کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

''ایک دم شہزادے ہیں چاچو آپ کی طرح'' فانی نے سینہ تان کے کہا تھا اور وہ بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

''تو پھر جلدی سے دونوں دروازہ کھولو میں گاڑی اندر لے آؤں، باہر بچے گلی ڈنڈا کھیل رہے ہیں کہیں کوئی نقصان ہی نہ کر ڈالیں'' اس نے دونوں کو تھپکا اور وہ دونوں تیزی سے دروازے کے بڑے بڑے لکڑی کے پٹ گھر کی دیواروں تک وا کرتے چلے گئے تھے اور وہ پلٹ کر گاڑی اندر لے آیا تھا...... گڈی ابھی سو رہی تھی۔ اسی لئے اس کی چہکار سنائی نہیں دی تھی۔ ناجیہ، امبرین اور بھرجائی تینوں اس کے قریب آ گئی تھیں اسے

اتنے دنوں بعد دیکھ کر سبھی بہت خوش تھے، لیکن صرف بھرجائی کی پلکیں نم تھیں۔

''بھرجائی میں اتنے دنوں بعد آپ لوگوں کو خوش دیکھنے کے لئے آیا ہوں، یہ آنسو دیکھنے نہیں آیا۔''

اس نے بہت عقیدت اور محبت سے اپنا بازو بھرجائی کے کندھوں کے گرد پھیلا دیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ان کا سر تھپکا تھا اگرچہ وہ ان سے چھوٹا تھا مگر حالات نے اپنی عمر سے بہت آگے بڑا کر ڈالا تھا۔

وہ ضبط کرتے ہوئے بھی ضبط نہیں کر سکی تھیں اور اس کے بازو سے سر ٹکا کے رو پڑی تھیں وہ اس کی موجودہ کیفیت اور دکھ اچھی طرح سمجھتا تھا وہ جانتا تھا کہ وہ اس کی آمد پہ رو رہی ہیں کیونکہ جب پہلے وہ شہر سے گھر آتا تھا حیدر بھائی (بھرجائی کے شوہر) اسے دیکھتے ہی ایک جاندار سا نعرہ لگاتے تھے۔

''اوے آیا میرا جوان، میرا شہزادہ۔'' وہ پھر اپنے بازو پھیلا دیتے تھے اور اتنے زور سے اسے سینے سے لگاتے کہ بھرجائی مذاق اڑانے لگتیں کہ اتنی زور سے تو کوئی کسی لڑکی کو بھی سینے سے نہیں لگاتا ہوگا جتنے زور سے وہ سکندر کو سینے سے لگاتے ہیں اور کبھی کبھی وہ حیدر بھائی سے نظر بچا کے بدلہ چکا لیتا تھا کہ۔

''آپ کیوں جیلس ہوتی ہیں؟ آپ کو اتنے زور سے سینے سے نہیں لگاتے اس لئے؟'' اور وہ شرما کے رہ جاتی تھیں اور جو چیز ہاتھ میں ہوتی وہ سکندر کی سمت دے مارتی تھیں مگر وہ ہر بار بچ جاتا تھا اور ہر بار حیدر بھائی بیچ میں آجاتے تھے.......لیکن آج!......سب کچھ ویران تھا......سب شرارتیں سب خوشیاں سب کھلکھلاہٹیں سب ایک انسان کے ساتھ مر گئی تھیں۔ سب گھر والوں کو احساس ہوتا تھا کہ جیسے ان کے دل دفن ہو گئے ہوں، لیکن اس سب سے ہٹ کے بھرجائی کا تو دل ہی نہیں دنیا بھی دفن ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ زندگی کا بوجھ کندھوں پہ اٹھائے ہوئے تھیں، محض اپنے بچوں کے لئے ان کی زندگیوں کی خاطر وہ ان سب کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔

''گڈی کہاں ہے؟ سو رہی ہے۔ اب طبیعت کیسی ہے؟ ٹھیک رہتی ہے اور یہ دونوں؟''

''اب تم آ گئے ہو تو خود دیکھ لو ناک میں دم کر دیتے ہیں۔''

''نہیں چاچو امی غلط کہہ رہی ہیں ناک میں دم نہیں ہوتی دم تو پیچھے ہوتی ہے۔'' کاشی نے تیزی سے کہا تھا۔ اور وہ سب کچھ بھی کہنے کی بجائے ہنس پڑے تھے۔ سکندر نے اسے ہلکی سی چپت رسید کی تھی، پھر گڈی بے دار ہوئی تو خوشی سے چیخ چیخ کر گھر سر پر اٹھا لیا تھا اور وہ اسے گود میں اٹھا چکا تھا۔



''اماں سکندر کو شاپنگ کرنے کی کافی پریکٹس لگتی ہے گھڑ ہو گیا ہے اس کے ہاتھ پیلے کر دیتے ہیں۔'' بھرجائی نے اس کی لائی ہوئی چیزوں کو دیکھتے جان بوجھ کر چھیڑا تھا وہ تینوں بچوں کو لے کر ابھی گھر میں داخل ہوا تھا......

''آپ یہ مہربانی ابھی نہ ہی کریں تو اچھا ہے جب مجھے اپنے ہاتھ پیلے کرواتے ہوئے آپ کو بتا دوں گا۔'' اس نے گڈی کو اپنی بانہوں سے نیچے اتار دیا تھا۔

''تمہاری میڈم کیسی ہے؟''

بھرجائی آج ماحول کی افسردگی دور کرنے کا سوچے ہوئے تھیں۔

''لاحول والاقوۃ! وہ میری اماں کی عمر کی ہیں یا پھر چند سال چھوٹی ہوں گی، ایک جوان جہان بیٹی کی ماں ہیں......'' اس نے گھبرا کے کانوں کو چھوا تھا۔

''ہیں؟ جوان جہان بیٹی؟'' انہیں خوشی ہوئی تھی۔ اس نے حیرت سے بھرجائی کو دیکھا کہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہیں؟

''آپ ٹھیک تو ہیں؟'' اس کی تشویش پہ اماں ہنستی ہوئی اُٹھ گئی تھیں۔

''میں تو ٹھیک ہوں تم یہ بتاؤ میڈم کی جوان جہان بیٹی دیکھنے میں کیسی ہے؟ یقیناً خوب صورت ہو گی نک چڑھی سی؟''

ہاں یہ تو ہے۔'' اس نے اعتراف کیا تھا۔

''کبھی تم سے ملی؟''

''ہاں کئی بار۔''

''باتیں بھی کی ہیں؟''

''آف کورس۔''

''اور کچھ کہا اس نے؟''

''بھرجائی۔'' بھرجائی کا لفظ ذرا لمبا کھینچ کے اور دبا کے بولا تھا اور جواباً وہ ہنس پڑی تھیں، ایسا ہی کچھ امبرین اور ناجیہ نے بھی کہا تھا اور وہ عورتوں کو خوش فہمیوں پر سر جھٹک کر رہ گیا تھا اور وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ عارف نے دروازہ بجایا اور وہ اُٹھ کر بیٹھک کی طرف چلا آیا تھا۔

''خیریت ہے نا؟''

''ہاں میں صبح شہر جا رہا ہوں۔'' عارف کچھ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''کیوں تم تو شاید ایک ہفتے کی چھٹی پر آئے تھے؟''

''ہاں لیکن آفس کی طرف سے کال آئی ہے میرا ٹرانسفر اسلام آباد برانچ میں ہو رہا ہے پرسوں مجھے اسلام آباد جانا ہو گا۔''

''لیکن یوں اچانک ٹرانسفر کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ خود بھی عارف کے ٹرانسفر کا سن کر پریشان ہو گیا تھا۔

''اچانک نہیں ہوا میرا ٹرانسفر چھ ماہ پہلے ہی ہو رہا تھا۔ مگر میں نے یہ آرڈر رکوا دیئے تھے۔ لیکن اب تو جانا ہی پڑے گا۔ بہرحال ڈیڑھ سال کا ایگری منٹ ہے بعد میں واپس تمہارے پاس ہی آ جاؤں گا، اب تو تم بھی ایڈجسٹ ہو ہی گئے ہو یقیناً تمہیں زیادہ پریشانی نہیں ہو گی، ویسے بھی فون پہ تو تم سے رابطہ رہے گا ہی۔''

عارف اسے تسلی دے رہا تھا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے یار لیکن وہ شہر ہی کیا جس میں اپنا کوئی یار نہ ہو؟'' سکندر بے دل سا ہو گیا تھا اور عارف مسکرا اٹھا۔ ''اسی لئے کہتا ہوں۔ ''یار'' ایک نہیں ہونا چاہیے کم از کم ''دو یار'' تو ہونے چاہئیں، ایک بچھڑ جائے تو دوسرے کے سامنے بندہ اس جدائی پہ رو ہی لے۔

اب تم بھی ایک اور یار بنانے کی کوشش کرو نہیں تو ہمیں کہو ہم بنا دیتے ہیں۔'' عارف کے لہجے میں ذو معنی شرارت تھی، سکندر نے نظر اٹھا کے اسے گھورا تھا۔

''یہ کوششیں تم اپنے لئے ہی کرو تو بہتر ہوگا۔'' وہ اٹھ کر دروازے میں کھڑی اماں کے ہاتھ سے چائے کے کپ لے کر اس کے سامنے میز پہ رکھتے ہوئے بولا تھا۔

اس کے طنز پہ عارف یکدم ہنس پڑا تھا۔

''یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، خیر تم کب جا رہے ہو؟''

''میں بھی صبح ہی جاؤں گا اگر تمہیں جلدی نہیں تو پھر میرے ساتھ ہی چلنا آٹھ نو بجے گھر سے نکل چلیں گے گاڑی بھی ہے پاس آسانی رہے گی۔''

''ٹھیک ہے پھر ساتھ ہی چلیں گے۔'' وہ اس سے ہاتھ ملا کر اللہ حافظ کہہ کر چلا گیا تھا اور وہ بیٹھک سے صحن میں آ گیا۔



ذاکر حمید اور سنی نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی، مگر رباب کا انکار اقرار میں نہیں بدلا تھا۔ اس پہ ایک اور مصیبت کہ کشور جہانیاں بھی بیٹی کی رضا میں راضی تھیں، لیکن ذاکر حمید کی بیوی، بیٹیاں اور بیٹا تلملا رہے تھے...... کشور جہانیاں جب بیوہ ہوئی تھیں تو تب رباب سات سال کی تھی اور خود کشور جہانیاں بھی جوان جہان تھیں، شوہر کاروبار کی کافی مضبوط بنیاد چھوڑ گیا تھا وہ اپنے دکھ سے نڈھال تھیں جب ذاکر حمید نے خزانے کی دنیا اپنے قبضے میں کرنے کے لئے مدد اور ہمدردی میں ان کے شوہر کا کاروبار سنبھالنا شروع کر دیا تھا مگر بہت ہی کم عرصے میں انہیں کہیں غلطی کا احساس ہوا تھا اور ویسے بھی امریکہ جیسے فاسٹ ملک میں رہ کر وہ کتنی دیر تک شوہر کا سوگ منا سکتی تھیں۔ چنانچہ بہت جلد وہ خود شوہر کی سیٹ پہ آ گئیں اگر چہ ذاکر حمید نے اپنی ہیلپ دینے کی بہت آفر کی مگر کشور جہانیاں کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ سنبھل چکی ہیں اور سب سنبھال سکتی ہیں اس طرح ذاکر حمید ان کے بزنس سے ہٹ گئے تھے۔ لیکن دل میں بہن کے لئے غصہ اور نفرت لے کر...... پھر جیسے جیسے وہ کاروبار پھیلاتی گئیں ان کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگے تھے۔

جس دولت کے خواب وہ دیکھتے تھے وہ دولت کشور جہانیاں بینکوں میں جمع کرتی جا رہی تھیں اور ہر چیز پہ ایک ہی مہر تھی ''رباب جہانیاں'' رفتہ رفتہ ان کی بیوی نے ان کو عقل دلائی کہ رباب نام کا سگنیچر آپ کے ہاتھ میں آ جائے تو آپ بڑے سے بڑا چیک کیش کرا سکتے ہیں۔ تب ان کی ساری توجہ سنی کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ جس کے ذریعے وہ یہ چیک اور سگنیچر حاصل کر سکتے تھے۔ سنی ان کا مطلب سمجھ گیا تھا مگر اپنی فطرت پہ قابو بھی نہیں پا سکتا تھا۔ لڑکیاں اس کی کمزوری تھیں اور احتیاط کے باوجود رباب ہر بار اسے لڑکیوں کے ساتھ دیکھ لیتی تھی۔ آخر ایک روز کشور جہانیاں نے بزنس وائنڈ اپ کر کے پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا اور ذاکر حمید ہکا بکا رہ گئے تھے۔ انہیں اس فیصلے سے روکا بھی تھا، لیکن وہ فیصلہ کر چکی تھیں اس لئے رکنا ناممکن تھا سوائے اپنے لالچ میں ذاکر حمید بھی ان کے ساتھ ہی پاکستان آ گئے تھے۔ ان کو ڈر تھا کہ رباب کو کوئی اور ہی نہ لے اڑے جبکہ رباب نے

کبھی سنی کے بارے میں سوچنا بھی گوارا نہیں کیا تھا اور آج کل جب انہیں پتہ چلا کہ رباب کے لئے دو تین پر پوزل آ چکے ہیں تو فوراً وہ بھی پرپوزل لے کر پہنچ گئے تھے۔ لیکن وہاں سے کورا جواب ملتے ہی ان کی خبیث اور لالچی فطرت عروج پہ چلی گئی تھی۔ انہوں نے سنی کو بلا کر اسے ایک کام سونپا تھا اور سنی اس کام کو سن کر بہت خوش ہوا تھا۔ آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔

❁......❁......❁

آج سارے گروپ نے ایک ساتھ اس کے گھر پہ ہلہ بول دیا تھا اور وہ سب کو دیکھ کر خوش ہوئی تھی......

''لگتا ہے جنگ کا مشن لے کر نکلے ہو تم سب؟'' اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جنگ کا نہیں انجوائے کرنے کا مشن لے کر نکلے ہیں تم بھی تیار ہو جاؤ اٹھو دیر ہو رہی ہے۔'' آئمہ نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر سائیڈ پہ رکھا اور بازو سے پکڑ کر اٹھایا تھا۔

''کہاں جانا ہے؟'' اس نے استفسار کیا تھا۔

''پہلے سڑکوں پہ آوارہ گردی کرتے ہیں پھر P.C چلیں گے منہ کا ذائقہ ہی بدل جائے گا اتنے دن ہو گئے ہیں باہر کھانا کھائے ہوئے......'' نتاشا نے لاپروائی سے بتایا تھا۔

''کلی کہاں ہے؟''

''وہ اپنے مام ڈیڈ کے ساتھ کہیں باہر گئی ہوئی ہے۔ اسی لئے اتنے دنوں سے بوریت ہو رہی ہے ہم سب نے اکٹھے مل بیٹھ کر ہلا گلا کرنا چھوڑ دیا ہے اور اب تم بھی مزید تنگ نہ کرو اٹھو چلتے ہیں۔'' آئمہ نے تیزی سے کہا تھا وقاص، عادی، جبران اور الوینہ نے بھی تائید کی تھی مجبوراً اسے ہامی بھرنا پڑی، لیکن ریسٹورنٹ کے انتخاب پہ وہ بھی اڑ گئی تھی۔

''تم لوگ میرے ریسٹورنٹ چلو گے۔''

''نیور۔'' آئمہ نے فوراً ختی سے انکار کیا تھا۔

''کیوں؟''

''بس روز روز جانا اچھا نہیں لگتا۔''

''کیوں اچھا نہیں لگتا میں خود لے کر جا رہی ہوں۔''

''مگر ہم انجوائے کرنے نکلے ہیں۔ تو میں کب روک رہی ہوں؟''

''لیکن رباب......''

''اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو ٹھیک ورنہ میں گھر جا رہی ہوں۔'' وہ بھی ضد میں آ گئی تھی اور مجبوراً ان لوگوں کو ہار ماننا پڑی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سات افراد پہ مشتمل یہ گروپ رباب ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تھا اور انتظامیہ کو ایک بھرپور ڈنر ارینج کرنے کا آرڈر ملا تھا۔

وہ عشا کی نماز پڑھ کر اپنے آفس روم میں جائے نماز پہ بیٹھا دعا مانگ رہا تھا جب وہ گلاس ڈور دھکیل کے بڑے استحقاق سے اندر داخل ہوئی تھی۔

اور قدم دروازے کے قریب ہی تھم گئے تھے اور دل کی دھڑکنیں بھی تھم گئی تھیں وہ سر پہ ٹوپی پہنے دونوں ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا تھا اور جس انداز سے وہ بیٹھا ہوا تھا پاؤں کے تلوے نظر آرہے تھے۔قریب ہی جوتوں میں موزے ٹھونس کے رکھے ہوئے تھے۔رباب چاہتے ہوئے بھی واپس نہ پلٹ سکی اور وہ ہاتھ چہرے پہ پھیرتے ہوئے جائے نماز سمیٹ کر اس کے قریب آ گیا تھا اور ہمیشہ کی طرح اسلام میں پہل کی تھی۔

''کوئی کام تھا آپ کو؟''اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نن نہیں۔''وہ چونک کر کہتی واپس پلٹ آئی تھی اب اس سے کیا کہتی کہ اس کے دوست ڈرنک کرنا چاہ رہے ہیں، جبکہ ہوٹل کے رولز کے مطابق اس چیز کی اجازت نہیں تھی اور وہ اسی کے متعلق پوچھنے آئی تھی......لیکن جب وہ فارغ ہو کر ریسٹورنٹ کے تینوں فلورز کا راؤنڈ لینے نکلا تو سیکنڈ فلور پہ آ کے ٹھٹک گیا تھا۔

ایک اعلیٰ برانڈ کی شراب کی بوتل کا ڈھکن ایک وی آئی پی کیبن کے دروازے کے قریب گرا ہوا نظر آیا تھا۔اس نے چونک کر ہاتھ کے شارے سے جونیئر مینجر کو پاس بلایا تھا جو ریسپشن پہ کھڑا تھا۔

''یہ کیبن کس نے ریزرو کروایا ہے ان کے کچھ دوست بھی ساتھ ہیں۔''

''سر میڈم رباب نے کروایا ہے ان کے کچھ دوست بھی ساتھ ہیں۔''

''میڈم''کا لفظ سنتے ہی اس کے ماتھے پہ سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

''دو منٹ کے لئے ان کو باہر بلاؤ۔''اس نے مینجر کو حکم دیا تھا اور اگلے چند سیکنڈز میں وہ اس کے روبرو کھڑی تھی۔

''اگر آپ کو اپنے فرینڈز کو عیاشی کا موقع دینا ہی تھا تو کسی اور جگہ کا انتخاب کر لیتیں اپنے ریسٹورنٹ کی ریپوٹیشن خراب کرنے کو کس نے کہا تھا؟''وہ اچھا خاصا برہم ہو رہا تھا۔

''ایم سوری میں نے ان لوگوں کو منع بھی کیا تھا مگر میرے آنے سے پہلے وہ ڈرنک کر چکے تھے۔''

''میم وہ کر نہیں چکے تھے بلکہ ابھی بھی کر رہے ہیں۔''اس نے ادھ کھلے دروازے سے نظر آتے اندرونی منظر کی سمت اشارہ کیا تھا جہاں عادی نئی بوتل کا ڈھکن کھولتے ہوئے خود سپ لینے کے بعد نتاشا کے منہ سے لگا رہا تھا رباب کی نظر جھک گئی تھی وہ کتنی ہی ماڈرن سہی لیکن خود ان حرکتوں سے کوسوں دور تھی۔البتہ دوستوں کو روکنا بھی چاہتی تو نہیں روک سکتی تھی۔

''اب جب یہ لوگ اس حالت میں یہاں سے جائیں گے تو ان کو دیکھنے والے کیا نتیجہ اخذ کریں گے؟یہی نہ کہ رباب ریسٹورنٹ عیاشی کا اڈا ہے، یہاں شریف لوگوں کا آنا محال ہے، یہاں شراب و شباب کا کاروبار ہو رہا ہے۔''وہ تلخ ہو گیا تھا۔غصہ اس کے چہرے سے واضح نظر آ رہا تھا۔

''میں نے کہا نا ایم سوری مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ لوگ یہاں آ کر یہ سب کریں گے۔''

''میم آپ کو پتہ ہونا چاہئے تھا کہ آپ کی کلاس کے لڑکے لڑکیاں جب اس طرح رات کے بارہ ایک بجے گھر سے نکل کر سڑکوں کا رخ کرتے ہیں تو اچھے اور نیک ارادے لے کر ہرگز نہیں نکلتے اور آپ کو یہاں آنے سے پہلے یہ سوچنا چاہئے تھا کہ یہ ایک ریسٹورنٹ ہے، کلب نہیں، بے شک آپ مالک ہیں لیکن فی الحال ذمہ داری مجھ پہ ہے ہر بات کے لئے مجھے جوابدہ ہونا پڑے گا کیونکہ میڈم جہانیاں کا ملازم میں ہوں آپ نہیں۔''

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ رباب سمیت ان لوگوں کو اٹھا کر کہاں پھینک دے جو اس کی جاب کے دشمن ہو گئے تھے۔ وہ اس کا لال بھبوکا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ کتنا نرم کتنا دلکش لگ رہا تھا اور اب ایک دم انگارہ بنا چنگاریاں چھوڑ رہا تھا۔

''ایکسٹریملی سوری آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔''

''بہرحال یہ لوگ جب تک رش کم نہیں ہو جاتا یہاں سے نہیں جا سکتے، ان کو ادھر ہی رہنا ہوگا گراؤنڈ فلور اور فرسٹ فلور کسٹمرز سے بھرے پڑے ہیں لہٰذا آپ فی الحال واپس جانے کا ارادہ مت کیجئے گا۔''

''او کے ایسا ہی ہوگا۔'' وہ کہہ کے اندر چلی گئی تھی۔ آئمہ نے اسے بھی ڈرنک آفر کی مگر اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔ اپنے سامنے رکھے فریش جوس کا گلاس اٹھا لیا تھا۔ آئمہ اس کے احتیاط برتنے پہ مسکرائی تھی اور عادی نے آنکھ دباتے ہوئے آئمہ کا ہاتھ چوم لیا تھا۔ البتہ گلے کا ہار تتاشا بنی ہوئی تھی اور الوینہ وقاص اور جبران کے دل لبھا رہی تھی۔ لیکن رباب کے ذہن میں اس کی ڈانٹ گونج رہی تھی۔

رات اڑھائی بجے کا وقت تھا جب وہ لوگ آگے پیچھے ریسٹورنٹ سے نکلتے چلے گئے تھے لیکن رباب کا سر اس قدر بھاری اور آنکھیں اتنی بوجھل ہو رہی تھیں کہ سیڑھیاں اترتے ہوئے یکدم پاؤں پھسل گیا تھا۔ وہ یقیناً سیڑھیوں سے سلائیڈ لیتی فرش پہ جا گرتی اگر اچانک اس کے پیچھے سیڑھیاں اترتا سکندر اسے دبوچ نہ لیتا، لیکن پھر بھی اس کا سینڈل پاؤں سے نکل کر نیچے جا گرا تھا، اس نے اسے بغور دیکھا تو اس کی حالت مشکوک نظر آئی تھی۔

''ہونہہ دوسروں کو منع کرنے والی۔'' دل میں ناگواری کی لہر اٹھی تھی اور اسے قدموں پہ کھڑا رہنے کا ہوش دلایا تھا۔ مگر وہ اپنا ہوش گنوائے ہوئے تھی۔ مجبوراً وہ اسے اپنے ساتھ سیڑھیاں اتار لایا تھا اور اس کا سینڈل اٹھا کر اس کے حوالے کر دیا تھا اور وہ یونہی گرتی پڑتی باہر نکل آئی تھی۔ گلاس ڈور سے اس کو سیڑھیوں کے چھوٹے سے ستون کے ساتھ لڑکھڑا کر سہارا لیتے ہوئے دیکھا تو بے اختیار باہر نکل آیا تھا مگر وہ اس کے پہنچنے سے پہلے زمین پہ لڑھک چکی تھی۔ اس نے تیزی سے اسے سنبھالا کہ کہیں چکنے فرش کی وجہ سے چوٹ نہ آ گئی ہو۔ سکیورٹی گارڈ بھی لپک کے قریب آیا تھا۔

''سر، میم ٹھیک تو ہیں؟'' وہ تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہوتیں تو یہاں ہوتیں؟'' اس نے ناگواری سے کہا اور اس کا چہرہ تھپکا تھا۔

''پانی۔'' اتنی سردی کے باوجود اسے پیاس کا احساس ہو رہا تھا۔

''جاؤ پانی لے کر آؤ۔'' اس نے پلٹ کر گارڈ کو کہا وہ فوراً پانی لے آیا تھا۔ جبکہ وہ اس ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

''پانی پی لیجئے۔'' اس نے گلاس سامنے کیا وہ پلکیں موندے ہوئے تھی۔

''میم پانی پی لیجئے۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا کندھا تھام کے ہلایا تھا۔ لیکن وہ اس حد تک غافل تھی کہ ہاتھ بڑھا کر پانی کا

گلاس نہیں تھام سکتی تھی اور وہ اسے سہارا دے کر پچھتا رہا تھا وہ کام کرنا پڑ رہے تھے جو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا تو اس نے ایک گھونٹ لیا اور پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا، آنکھیں نشے کے بوجھ سے گلابی پڑ گئی تھیں، گلاس ہونٹوں سے لگا ہونے کے باوجود وہ بوجھل شربتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک گلاس ہونٹوں سے ہٹا دیا، مگر پانی چھلک کر اس کی گردن اور شرٹ کا گریبان بھگو گیا تھا اور وہ دوبارہ بے سدھ ہو گئی تھی۔ بالآخر اس نے میڈم کشور جہانیاں کا پرسنل نمبر ڈائل کیا تھا۔

''آپ اس وقت یہاں آ سکتی ہیں؟''

''کیوں کیا ہوا ہے؟''

''میڈم رباب اس وقت نشے کی حالت میں ریسٹورنٹ کے باہر بے ہوش پڑی ہیں۔ میرے ڈیوٹی آورز ختم ہو چکے ہیں۔ آپ آ کر انہیں سنبھال سکتی ہیں۔''

''رباب نشے میں؟'' وہ یکدم شاکڈ رہ گئی تھیں۔

''جی اس وقت وہ مکمل نشے میں ہیں۔''

''او مائی گاڈ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' ان کو یقین نہیں آیا تھا۔

''آپ آ جائیں کیونکہ یہ ہو چکا ہے مجھے آف بھی کرنا ہے۔''

''رکو، سکندر ہوٹل سے تو تم پہلے ہی آف ہو چکے ہو۔ یقیناً گھر جا رہے ہو گے پلیز تم رباب کو گھر لے آؤ اب اگر میں خود آؤں یا ڈرائیور کو بھجوں تو ایک گھنٹہ سفر میں ضائع ہو جائے گا۔''

''لیکن میڈم مجھے اپنے فلیٹ......''

''اسے ڈراپ کرنے میں تمہیں زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ لگے گا پلیز اسے لے آؤ میرا تو دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔'' انہوں نے بڑی آسانی سے وہ طوق اس کے گلے ڈال کر فون بند کر دیا تھا اور وہ ایک ہاتھ میں اس کے سلور کلر کے سینڈل اٹھائے دوسرے بازو کا اسے سہارا دیتے ہوئے پارکنگ تک لے آیا تھا......

''اسے میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' اچانک ہی گاڑیوں کی سائیڈ سے نکل کر کوئی اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''آپ کون ہیں؟''

''میں اس کا کزن ہوں اسے ہی ڈھونڈتا ہوا آیا ہوں لاؤ ادھر۔'' وہ مزید آگے بڑھا تھا۔

''آپ کے پاس کیا پروف ہے کہ آپ ان کے کزن ہیں؟'' اس نے سختی سے کہا

''کیا یہ پروف کافی نہیں کہ میں کہہ رہا ہوں رباب کا ہونے والا شوہر۔''

''ہونے والا شوہر پچھلے دس گھنٹوں سے کہاں تھا؟''

''میرے ساتھ زیادہ بکواس مت کرو اسے میرے حوالے کردو۔'' سنی بدتمیزی اور بے ہودگی پہ اتر آیا تھا۔ اور یہ دونوں چیزیں سکندر جیسے آدمی کو غصہ دلا جاتی تھیں۔ اس نے سینڈلز گاڑی کی چھت پر رکھتے ہوئے اپنے مضبوط ہاتھ کا مکا گھما کے اس کی ناک پہ دے مارا تھا اور سنی چکرا کے رہ گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر تیزی سے لاک کھولا اور رباب کو اندر ڈال دیا تھا اس کے سینڈل اندر پھینکے اور دروازہ انتہائی زور سے بند کر دیا تھا۔ اسے مکا بھی اس نے اسی لئے مارا تھا کہ اسے خالی ہاتھ ہونے کی مہلت مل جائے۔ وہ گھوم کر اپنی سائیڈ پہ آیا کہ سنی اس پہ جھپٹ پڑا تھا۔

''تم کون ہوتے ہو اس کو ساتھ لے جانے والے؟''

''میں اسے لے کے جاؤں گا......'' اس نے دوسرا مکا مارنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا مگر سنی بھی اپنا شکار جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ آخر اتنی مشکلوں اور پلاننگ سے تو اس نے اپنے گھناؤنے عزائم کے لئے اس حال تک پہنچایا تھا اور درمیان میں وہ آ گیا تھا۔ وہ ناک اور منہ سے بہتے خون اور تکلیف سے دوزانو نیچے گرا تھا۔ اور سکندر کو گاڑی وہاں سے نکالنے میں محض چار منٹ لگے تھے۔ اس نے گاڑی اسپیڈ پہ چھوڑ دی تھی جب میڈم نے اپنی بیٹی کو احتیاط سے پہنچانے کا کام اسے سونپا تھا تو اسے ہر حال میں یہ کام احسن طریقے اور پوری ذمہ داری سے کرنا تھا، جیسے ہی اس نے انتہائی فل سپیڈ سے روڈ سے یوٹرن لیا وہ لڑھک کے اس کے کندھے پہ آ گری تھی۔ گاڑی کا توازن بھی وہ بڑی مشکل سے قائم رکھ پایا تھا۔ رباب کا ایک ہاتھ اس کے اسٹیئرنگ پہ رکھے بازو پہ تھا اور چہرہ اس کے شانے سے ٹکا ہوا تھا۔ اس نے گھبرا کے اسے پیچھے ہٹانا چاہا مگر پیچھے سے آتی، سنی کی تیز رفتار گاڑی کو دیکھ کر اپنی کوشش ترک کرتے ہوئے اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔

وہ جیسے جیسے اسٹیئرنگ کو حرکت دے رہا تھا رباب کا ہاتھ بھی اس کے ساتھ ہی حرکت کر رہا تھا۔ اسے مصیبت میں پھنسا کر وہ کتنی بے خود نیند سو رہی تھی اسے خبر ہی نہ تھی کہ باہر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ سنی نے اس کی گاڑی کو ٹھوکر مارنی چاہی تھی مگر وہ مزید سپیڈ تیز کرتے ہوئے آگے نکل گیا تھا ان کے پیچھے پولیس کی گاڑی کا سائرن بجنا شروع ہو چکا تھا اور سنی مزید کچھ بھی کئے بنا ہوا ہو گیا تھا۔ اس نے گاڑی میڈم کشور جہانیاں کے گھر کے روڈ پر ڈال دی تھی۔ پانچ منٹ بعد وہ ہارن دے رہا تھا۔ بڑا سا وائٹ کلر کا گیٹ چوکیدار نے بڑی پھرتی سے کھولا تھا۔ میڈم جہانیاں اپنے اردگرد شال لپیٹے پورٹیکو کے قریب ہی بے چینی سے ٹہل رہی تھیں اس کی گاڑی اندر آتے دیکھ کر برق رفتاری سے قریب آئی تھیں۔

''اتنی دیر لگا دی تم نے میں تو پریشان ہو رہی تھی؟'' وہ سرد سے تاثرات لئے نیچے اتر آیا تھا۔

''آپ کا ایک رشتہ دار مل گیا تھا جو انہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اسی لئے دیر ہو گئی۔''

''ہمارا رشتہ دار؟''

''جی ہاں خود کو ان کا کزن بتا رہا تھا۔''

''کون سنی؟''

''نام میں نہیں جانتا۔''

''تو کیا وہ اس کے ساتھ تھا۔''

''پہلے تو نہیں البتہ واپسی پہ اچانک کہیں سے چلا آیا تھا۔''

''پہلے اس کے ساتھ کون تھا اور اس نے ڈرنک کیسے کی۔'' وہ ہر بات ابھی کے ابھی پوچھ لینا چاہتی تھیں اور اس نے تمام تفصیل بتا دی جسے سن کر انہیں غصہ تو بہت آیا مگر اس وقت وہ ہوش و حواس سے بیگانہ تھی اور وہ کچھ بھی کہنے سے قاصر تھیں اس کی سائیڈ کا دروازہ کھول کر سکندر کو اشارہ کیا۔

''ادھر آؤ اسے کمرے میں پہنچا دو میں اکیلی اسے نہیں لے جا سکتی۔''

ان کا نیا آرڈر سن کر وہ چکرا گیا تھا۔ لیکن اس آرڈر سے بچنے کا یا پھر بہانہ بنانے کا بھی راستہ نہیں تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے رباب جہانیاں کا بوجھ اٹھانا پڑا تھا، لیکن ایک بے خبر حسینہ کو اس کے کمرے تک پہنچانے کے لئے اس نے جیسے اپنی آنکھیں اور دھڑکنیں بند کر لی تھیں۔ میڈم جہانیاں خود بھی اس کے پیچھے ہی آ رہی تھیں، پھر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ کر انہوں نے رباب کے بیڈروم کا دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ اندر آ کر اسے بیڈ پہ ڈال چکا تھا۔ لیکن غصے سے...... دماغ کی شریانیں پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔ اس نے پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اس کے کمرے سے تیر کی طرح نکل گیا تھا۔ میڈم روکتی رہ گئیں تھیں۔



''مام! پلیز بلیومی میں نے ڈرنک نہیں کیا میں نے ڈنر کے بعد فریش جوس لیا تھا، مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا اور جوس میں نشہ کیسے آ گیا...... آپ کو میرا یقین کرنا چاہئے۔ میں نے پہلے بھی ایسی حرکت کی ہے؟'' وہ ہوش میں آئی تو ماں کو خاصے برہم موڈ میں دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔ لیکن جو کچھ ہوا سمجھ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں وہ رباب کے لئے ناقابل قبول تھا وہ شراب کا الزام سنتے ہی چکرا گئی تھی۔

''جوس میں نشہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ وہ جوس ہمارے اپنے ریسٹورنٹ کا تیار کردہ تھا؟''

''یہ بات آپ ہوٹل منیجر اور انچارج سے پوچھیے۔'' رباب چڑ گئی تھی۔

''سکندر رحمٰن کے ہوتے ہوئے ایسی کوتاہی نہیں ہو سکتی بلکہ اس نے تو ہماری پہلی کوتاہیوں اور غفلت پہ کافی کنٹرول کیا ہے۔'' میڈم جہانیاں کو جیسے یقین تھا۔

''تو پھر ایسا کیوں ہوا؟'' وہ ماں سے اور ماں اس سے الجھ رہی تھی اور جب رباب بری طرح الجھ چکی تو اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے تھے۔ ''آپ فوراً رباب ولا پہنچیں آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' اس نے کہہ کر ریسیور کریڈل پہ ڈال دیا تھا۔

''تم نے اسے کیوں بلایا؟''

''مام کہیں نہ کہیں آپ کے سٹاف کی غلطی ہے اور میں اس غلطی کو جان کر رہوں گی۔'' رباب تلملائی ہوئی تھی آدھے گھنٹے بعد وہ ان کی عدالت میں حاضر تھا۔

''یس میم!''

''آپ جانتے ہیں کل رات میں آپ سے کہہ رہی تھی کہ مجھے اپنے فرینڈ کا ڈرنک کرنا اچھا نہیں لگ رہا انہوں نے میری اجازت کے بغیر

ڈرنک کیا اور مجھے برا لگا......

کیا دوسروں کی حرکت پہ ناگواری کے بعد میں خود یہ حرکت کرسکتی ہوں؟'' اس کے عجیب سے تفتیشی انداز پہ وہ الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''بولئے آپ چپ کیوں ہیں؟''

''آئی ڈونٹ نو میم میں یقین سے تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا آپ کی نیچر آپ کے گھر والے ہی جان سکتے ہیں کہ آپ کس حد تک جا سکتی ہیں؟''

''آپ سیاسی پالیسی سے کام لے کر اپنے آپ کو بچا رہے ہیں درحقیقت میری کل رات والی حالت جوس پینے کی وجہ سے ہوئی تھی جوس میں یقیناً کچھ ملاوٹ تھی۔'' وہ یکدم چیخ اٹھی تھی وہ دم بخود رہ گیا تھا میڈم جہانیاں کو بیٹی پہ غصہ آیا تھا۔

''مام آپ اس انسان کی اچھائی دیکھ دیکھ کر فدا ہوئی جا رہی ہیں کیا آپ یہ بھول گئی ہیں کہ غلطی اور کوتاہی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔'' وہ خود پہ لگائے الزام سے تڑپ رہی تھی اور وہ اپنے آپ پہ الزام آتا دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔

''نشہ کرنا آپ لوگوں کا کام ہے'' ہمارا نہیں ہم اپنے ہوش وحواس میں رہتے ہیں اور غلطیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ آپ کی طرح حواس کھونا ہمیں نہیں آتا۔ غلطی آپ کی طرف سے ہوئی ہے میری طرف سے نہیں۔'' وہ بھی چپ نہیں رہ سکتا تھا۔

''اور اگر آپ کی کوتاہی ثابت ہو گئی تو؟'' وہ چیلنج پہ اتر آئی تھی۔

''تو میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔''

''آپ کی جاب بھی جا سکتی ہے اور آپ کو معافی بھی مانگنا ہو گی۔''

''میں سب کروں گا لیکن غلطی آپ کی ہوئی تو معافی آپ کو مانگنا ہو گی۔''

''میں آج ہی رپورٹ لیتی ہوں کہ ریسٹورنٹ کے کچن میں کیا ہو رہا ہے اور کل رات اس جوس میں کیا تھا جو......''

''اس جوس میں نشہ آور چیز تھی جو تمہیں بے ہوش کرنے کے لئے ملائی گئی تھی۔'' اچانک ڈرائنگ روم کے دروازے کی سمت سے آواز ابھری تھی اور سب ہی نے چونک کر دیکھا تھا۔

''ککی؟''

''رباب تمہارے خلاف کل رات اچھی خاصی سازش ہو چکی ہے اور اس میں تمہارے دوستوں کا ہی ہاتھ ہے خصوصاً آئمہ کا......

''آئمہ؟ لیکن ککی وہ تو میری بہت اچھی......''

''جو تمہاری بہت اچھی دوست ہے وہ کسی اور کی بہت اچھی دوست نہیں ہو سکتی؟''

''مگر وہ ایسا کیوں کرے گی؟''

''میں نے کہا نا کہ کیا وہ کسی اور کی دوست نہیں ہو سکتی؟''

''ککی کی بات مبہم بھی تھی اور واضح بھی۔

''گویا اس نے میرے جوس کے گلاس میں کچھ ملایا تھا اور وہ بھی کسی کے کہنے پر؟''

''مائی ڈیر فرینڈ! کسی کے کہنے پہ نہیں تمہارے ماموں زاد سنی کے کہنے پہ اور کل جو انجوائے منٹ کا اچانک پروگرام بنا تھا وہ بھی اسی کے کہنے پہ ہوا تھا اور وہ سب آئمہ کے ذریعے ہوا اور یہ سب کچھ میں اس وقت آئمہ کی زبانی ہی سن کر آ رہی ہوں، ان فیکٹ مجھے کل رات کے پروگرام کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس لئے میں یونیورسٹی کے لئے نکلی تھی مگر میری فائل دو روز سے آئمہ کے پاس تھی سوچا راستے سے وہ بھی لیتی چلوں آئمہ کو یاد نہیں ہو گی لیکن جب میں اس کے بیڈ روم کے پاس پہنچی تو اندازہ ہوا وہ کسی سے فون پہ بات کر رہی ہے اور موضوع گفتگو تم ہو، بار بار تمہارا ذکر سن کر مجھے ساری بات چھپ کر سننا پڑی اور اب میں یونیورسٹی کی بجائے تمہارے سامنے کھڑی ہوں...... جن پہ تم شک کر رہی ہو وہ بے قصور ہیں۔''

نکی نے ان لوگوں کو انکشاف سے دوچار کرتے ہوئے آخر میں سکندر رحمٰن کو دیکھا تھا، رباب بری طرح چونکی تھی۔ میڈم کشور جہانیاں بھتیجے کی اس حرکت پہ کھول رہی تھیں۔ رات وہ سکندر کے گلے پڑ گیا تھا تو وہ یہ بھی تو کر سکتا تھا دراصل اس نے رباب کو اس لئے بے ہوشی کی دوا کھلائی تھی کہ وہ اسے آسانی سے اپنے ساتھ کہیں بھی لے جا سکتا اور اپنے خطرناک گھناؤنے عزائم پورے کر کے چھوڑ دیتا، بعد میں کشور جہانیاں خود اسے شادی کے لئے مجبور کرتیں اور وہ اپنے باپ کی پلاننگ کے تحت بیک وقت دولت اور حسن کا مالک بن جاتا لیکن اس کے ارادے تو اسی وقت ڈھیر ہو گئے تھے جب رباب کسی اور ہوٹل میں جانے کی بجائے اپنے ریسٹورنٹ آئی تھی، تب آئمہ نے اس کے کہنے پہ سب سے نظر بچا کر اس کے گلاس میں کچھ ڈال دیا تھا۔ لیکن یہاں بھی رباب کی قسمت نے ساتھ دیا کہ سکندر اس کا سہارا بن گیا تھا اگر وہ اکیلی پارکنگ تک آ جاتی تو تاک لگائے بیٹھا سنی اسے فوراً لے اڑتا......

وہاں موجود تمام نفوس کچھ دیر تک نہ کچھ حرکت کر سکے تھے نہ کچھ کہہ سکے تھے اور اس جامد کیفیت کو سکندر رحمٰن کے قدموں نے توڑا تھا وہ جھٹکے سے اٹھ کر قدموں کی دھمک چھوڑتا وہاں سے نکل گیا تھا۔



''پھوپھو! رباب کہاں ہے؟'' وہ اپنے دھیان میں ساڑھی کا پلو سنبھالے دوسرے ہاتھ میں سیل فون پہ نمبر ڈائل کرتی نیچے اتر رہی تھی۔ جب سنی کی آواز پہ کرنٹ کھا کے دیکھا تھا۔

''تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟''

''پھوپھو میں آپ لوگوں سے ملنے......''

''اسٹاپ اٹ! تمہیں ہم سے جتنا ملنا تھا مل چکے اب ملنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی، شرم آنی چاہیے تمہیں کتنی دیدہ دلیری سے منہ اٹھائے چلے آئے ہو کیا پرسوں رات کا کارنامہ بھول چکے ہو یا پھر کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟''

''پھوپھو آپ غلط سمجھ رہی ہیں، میں نے تو رباب کو گھر لانا چاہا تھا مگر آپ کا وہ ملازم نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا کہ......''

''وہ جو بھی سمجھا تھا بالکل صحیح سمجھا تھا میں آپ لوگوں کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی آئندہ میرے گھر کا رخ بھی مت کرنا ورنہ دھکے دے کر نکلوا دوں گی۔''

''آپ زیادتی کر رہی ہیں پھوپھو، میں رباب سے شادی کیے بغیر نہیں رہ سکتا میں اسے چاہتا ہوں۔''

''بکواس بند کرو اپنے ناپاک منہ سے میری بیٹی کا نام بھی لیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، اس کی شادی وہیں ہوگی جہاں میں چاہوں گی۔''

''اس کی شادی مجھ سے ہوگی چاہے مجھے یہ شادی کسی طور بھی کرنی پڑے میں کروں گا اور جو درمیان میں آیا وہ ہمیشہ کے لئے درمیان سے نکل بھی جائے گا۔ میں آپ کو آخری وارننگ دے رہا ہوں، کل تک شادی کے لئے ہامی بھر لیجیے، ورنہ نیکسٹ سنڈے کو یا تو آپ کو اپنی بیٹی میری بیوی کے روپ میں نظر آئے گی یا پھر لاش کی صورت میں، بے شک آپ کتنا ہی اثر و رسوخ آزما لیں مجھے میرے ارادے سے پیچھے نہیں ہٹا سکتیں۔'' وہ کہہ کے چلا گیا تھا اور میڈم کشور کہانیاں سناٹے میں آ گئی تھیں۔



سناٹے میں تو سکندر رحمٰن بھی آ گیا تھا...... گڈی کا ایک گردہ بالکل ناکارہ ہو چکا تھا اور آپریشن کے لئے فوری طور پہ ایک بھاری رقم کی ضرورت تھی جس آس پہ وہ میڈم کشور جہانیاں کے پاس پہنچا تھا وہ آس بھی گنگ ہو چکی تھی۔

''میں تمہیں یہ رقم دینے کو تیار ہوں بدلے میں تمہیں میرا کام کرنا ہوگا دیکھو تم بھی مجبور ہو اور میں بھی مجبور ہوں، تمہیں اپنی بھتیجی کی زندگی چاہیے مجھے اپنی بیٹی کی زندگی کا تحفظ چاہیے۔ ہماری ضرورت ایک ہی ہے تم سوچو مت، وقت بہت کم ہے میں تم پہ بھروسہ کر رہی ہوں، تو تم بھی مجھ پہ بھروسہ کر سکتے ہو۔''

وہ اس کے سامنے ضرورتوں کی بساط بچھا چکی تھیں اور اس بساط سے بچ نکلنا آسان نہ تھا، اس کی گڈی ذرا سی دیر اور ہو جاتی تو زندگی ہار سکتی تھی...... لیکن گڈی کی زندگی اسے اپنی زندگی ہار کر بھی جیتنا پڑتی تو وہ جیت لیتا اس نے میڈم کشور جہانیاں کے سارے مہرا اٹھا لئے تھے، ان کے پیپر پہ سائن کر کے وہ کیش لے کر نکل آیا تھا لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ اپنی زندگی رہن رکھ آیا ہے۔



''مام یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟ اس کے سوا کوئی اور حل......''

''نکاح پہ نکاح نہیں ہو سکتا اس سے بہتر حل اور کیا ہوگا؟ جب یہ مسئلہ حل ہو جائے گا ہم سکندر کو طلاق کا کہہ دیں گے وہ ہامی بھر چکا ہے بس آج وہ کچھ بزی ہے کل آئے گا تو نکاح کرلیں گے اور پھر سب سے خفیہ طور پہ تم اس کے ساتھ گاؤں چلی جاؤ گی یہاں جو کچھ ہوگا وہ میں سنبھال لوں گی......''

''اوہ گاڈ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میں گاؤں میں کیسے رہوں گی؟'' اس نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، لیکن جو کچھ وہ پلان کر چکی تھیں اس پلاننگ سے ان کو پیچھے ہٹانا رباب جہانیاں کے لئے ہرگز ممکن نہیں تھا وہ فیصلہ ایک بار کرتی تھیں مگر قائم آخری دم تک رہتی تھیں، آج تک انہوں نے جو چاہا وہی کیا اور جو سوچا وہی کروایا تھا، اپنے فیصلے سے اپنے حکم سے کسی کو ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹنے دیتی تھیں، اگلے روز صبح سکندر رحمٰن کو کال کر کے وہ مقررہ مقام سمجھا چکی تھی۔



گڈی کا آپریشن کامیاب ہوا تھا، لیکن وہ ابھی تک ہوش و خرد سے بیگانہ تھی لیکن اسے پھر بھی جانا تھا۔

''سکندر کہاں جا رہے ہو؟'' اماں کی آواز پہ اس کے قدم ٹھٹک گئے تھے پلٹ کر انہیں دیکھا وہ متفکر نظر آئیں۔

''میڈم نے کسی کام سے بلایا ہے تھوڑی دیر تک آجاؤں گا۔''

''زیادہ ضروری کام ہے؟'' انہوں نے استفسار کیا تھا۔

''جی......''

''جلدی آنا گڈی ہوش میں آتے ہی تمہیں یاد کرے گی۔'' اماں نے تاکید کی لیکن بھر جائی، سکندر کے قدموں کی شکستگی دیکھتی رہ گئی تھیں وہ پرسوں جب آپریشن کے لئے رقم لے کر آیا تھا تب بھی ایسی ہی حالت تھی۔ ہسپتال کے احاطے سے گاڑی نکالتے ہوئے اس نے چپ کی زبان میں اپنے رب سے گڈی کی زندگی کے لئے دعا کی تھی۔ جہاں میڈم کشور جہانیاں نے بلایا تھا وہ شہر سے باہر ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور وہ اپنے وکیل اور گواہوں کے ساتھ اجنبی گاڑیوں میں آئی تھیں۔ اپنی گاڑیاں گھر پہ تھیں، انہوں نے اس معاملے میں بہت احتیاط برتی تھی رباب بلیو جینز پہ ریڈ کرتا پہنے ہوئے تھی۔ گلے میں پرنٹڈ مفلر جھول رہا تھا اس نے ایک نظر دیکھ کر نظریں جھکا لی تھیں، یہ بات سب سے پوشیدہ تھی مگر اس کی فرینڈ لکی آج بھی اس کے ساتھ تھی گویا لکی اس کے اعتماد کی تھی۔

''یار تیرا دولہا تو کمال کی چیز ہے جب جب دیکھتی ہوں دل دھڑک جاتا ہے۔ آج تو اداسی میں سیدھا دل میں گھس رہا ہے۔'' لکی نے رباب کے کان میں سرگوشی کی وہ وضو کر کے ادھر ہی آ رہا تھا جواباً رباب کچھ بھی نہ کہہ سکی، مولوی صاحب بھی اندر داخل ہو چکے تھے۔

''بیٹی سر ڈھانپ لو۔'' مولوی نے آہستگی اور نرمی سے کہا تو رباب نے چونک کر دیکھا سکندر سر پہ رومال باندھے ہوئے تھا۔ نماز والی ٹوپی کہیں گھر پہ بھول آیا تھا، لکی اور کشور جہانیاں بھی دوپٹے کے پلو سر پہ رکھے ہوئے تھیں۔ صرف وہی ننگے سر بیٹھی تھی خفت سے دیکھتے ہوئے فوراً مفلر سر پہ پھیلا لیا تھا، نظر جھک گئی تھی! سر بھی جھک گیا تھا...... پھر...... دل بھی 'جھک' گیا تھا...... اور اس کے جھکنے میں عجیب سی بلندی تھی۔ عجیب سا

سرور تھا۔ دل کھینچ لینے والی کشش تھی وہ نکاح کے بول پڑھنے کے ساتھ جیسے اپنی زندگی کو پڑھتی گئی تھی۔ اس کے انگ انگ میں ایک خمار بھرا ''مان'' اترا تھا۔ بیٹھے بیٹھے بہت زیادہ اعتماد اور تحفظ مل گیا ہو......

''صرف ایک نام مل سے جانے سے عورت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے؟'' وہ حیرانی سے سوچتی رہ گئی تھی۔ اتنی دولت، اتنی شہرت، اتنے گارڈا اتنے پہرے داروں کے ہوتے ہوئے بھی وہ غیر محفوظ تھی اور اب صرف چند منٹوں میں وہ محفوظ ہو گئی تھی صرف ایک نام کی ''چھایا'' میں......؟

نکاح کے بعد میڈم کشور جہانیاں سے کچھ دیر بات چیت ہوئی اور پھر اس نے ان لوگوں سے اجازت چاہی تھی...... رباب کو اپنی ماں اور اپنی سہیلی سے رخصت ہو کر اس کے ساتھ جانا پڑا اور گاڑی کا دروازہ کھل چکا تھا۔ بے شک وہ کچھ عرصے کے لئے ہی اس کے ساتھ جا رہی تھی۔ ایک کاغذی رشتہ......اور ایک عارضی رخصتی تھی لیکن پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہی ہو یا پھر بہت دور جا رہی ہو......

''مام پلیز ایک بار پھر آپ اپنے فیصلے پر غور کر لیں میں کہیں اور بھی تو رہ سکتی ہوں......'' وہ جانے سے پہلے پھر التجائیہ سے انداز میں بولی تھی۔

''ملک سے باہر بھجواؤں تو بھی وہ خبیث تمہیں ڈھونڈ لے گا جبکہ کسی گاؤں میں تمہاری موجودگی کا وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکیں گے تب تک میں ان کا بندوبست کر لوں گی، سکندر تمہارا خیال رکھے گا میں رابطہ کرتی رہوں گی یوں سمجھو کہ تم اب محفوظ ہاتھوں میں ہو، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، تم جیسے چاہو گی ویسے ہی رہنا گاؤں کا ماحول تم نے صرف سنا ہے ورنہ لوگ کافی اچھے ہوتے ہیں۔'' انہوں نے بیٹی کو تسلی دی اور وہ پلٹ کر اس کے برابر گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔

اس کا موڈ بے حد آف ہو چکا تھا، سکندر نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ آج سکندر رحمٰن کی مجبوری رباب جہانیاں کی امیری سے بیاہی گئی تھی۔ اس لئے نہ مجبوری خوش تھی نہ امیری اور یہ تو ہمیشہ سے چلا آ رہا تھا کہ مجبوری کبھی بھی خوشی، خوشی امیری کے در پہ نہیں جاتی۔ ہمیشہ ہر طرف سے ہار جانے کے بعد امیری کے در کا رخ کرتی ہے اور اسی طرح امیری بھی مجبوری کے جھونپڑے میں رہنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی اس کا بھی دم گھٹ گھٹ جاتا ہے مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ دونوں طرف ہی مجبوری کا عالم تھا، اختلاف ایک دوسرے سے کسی کو بھی نہیں تھا۔



''بھائی گڈی کیسی ہے؟'' امبرین باورچی خانے سے بھاگتی ہوئی نکلی تھی لیکن اس کے ساتھ کسی اور کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر ٹھٹک گئی رباب کچے صحن اور مرغیوں کو دیکھتی حیرت زدہ سی باہر نکل آئی تھی وہ اسی کے انتظار میں کھڑا تھا۔

''السلام علیکم......'' خلاف توقع اور بے ساختہ اس کے منہ سے اسلام پھسلا تھا۔ ورنہ وہ ہائے، ہیلو کی عادی تھی۔

''یہ ہماری مہمان ہیں، امبرین کیا دیکھ رہی ہو؟'' سکندر نے چھوٹی بہن کی حیرت دور کی پھر ایسی ہی حیرت ناجیہ کو بھی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اسے ایسی بہت سی حیرتوں کا سامنا بھی کرنا ہے اور ان کے سوالوں کا جواب بھی دینا ہے۔

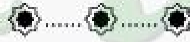
''آپ بیٹھئے نا کھڑی کیوں ہیں، اتنی دور سے آئے ہیں۔'' ناجیہ نے اس کے کپڑوں کو دیکھتے ہوئے چارپائی کی بجائے برآمدے میں رکھی کرسی گھسیٹ کر دی تھی۔

''چاچا گڈی آ گئی؟'' کاشی اور فانی دروازے سے اندر داخل ہوتے اس کی گاڑی دیکھ کر بھاگے تھے لیکن چھوٹی گڈی کی بجائے وہ بڑی گڈی کو دیکھ کر آنکھیں پٹپٹانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اپنے ہوش و حواس میں پینٹ شرٹ میں ملبوس بغیر دوپٹے کی کوئی لڑکی پہلی مرتبہ دیکھی تھی اور وہ بھی اتنی خوبصورت کہ انہیں اپنی بات بھول گئی تھی۔ چاچو بھول گیا تھا گڈی بھول گئی تھی صرف وہ یاد تھی جو نظر آ رہی تھی۔

''میری بھتیجی ہسپتال میں ایڈمٹ ہے میں اس کے پاس ہسپتال جا رہا ہوں، آپ فریش ہو کر آرام کریں، اگر بھوک ہے تو کھانا کھا لیں کھانا تیار ہی ہوگا۔'' وہ اس کا بیگ نکال کر برآمدے میں رکھ آیا تھا۔ امبرین اور ناجیہ چاہنے کے باوجود سکندر سے کچھ نہیں پوچھ سکی تھیں۔ اور وہ بھی اسے روک نہ سکی جو اسے ایک بالکل اجنبی جگہ اجنبی ماحول اور اجنبی لوگوں میں چھوڑ کے جا رہا تھا۔ لیکن امبرین کو بہت زیادہ بولنے کی عادت تھی۔ شروعات اس نے رباب کا نام پوچھنے سے کی تھی۔

''رُباب جہانیاں؟'' وہ کرنٹ کھا کے اُچھل پڑی تھی۔

''آ...... آپ یا...... یہاں؟'' اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔



گڈی ہوش میں آئی تو سب سے پہلے وہ شکرانے کے نفل ادا کرنے مسجد گیا تھا پھر صدقہ دیا فقیروں میں خیرات دی جتنی منتیں مان رکھی تھیں وہ پوری کیں تب اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا بھرجائی کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا تھا۔

''سکندر تمہاری گڈی پھر زندہ ہو گئی ہے پھر ہمارے پاس آ گئی ہے دیکھو وہ زندہ ہے۔'' وہ خوشی سے پاگل ہو رہی تھیں انہوں نے جیسی حالت میں گڈی کو دیکھا تھا، اس کی زندگی کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔ اور جب ڈاکٹر نے اپنی فیس اور علاج کے لئے دوائیوں کی نوعیت اور ان کی قیمت بتائی تھی، تب تو ان کی ممتا رہی سہی امید بھی ہار گئی تھی۔ مگر سکندر نہیں ہارا تھا۔ اسے گڈی کا علاج کروانے کے لئے بھیک بھی مانگنا پڑتی تو وہ مانگ لیتا۔ یہ تو پھر اس کی زندگی کا داؤ تھا، محض ایک جوا جو اس نے میڈم کشور جہانیاں کے ساتھ کھیلا تھا۔ یا پھر یہ کہنا کہ میڈم کشور جہانیاں نے یہ جوا خود کھیلا تھا۔ اس کی مجبوریوں کو تاش کے پتوں کی طرح بکھیر کر اسے دکھا دیا تھا کہ وہ کس کس پتے سے ہار سکتا ہے اور اس کے ہار سے بچاؤ کا حل صرف ایک پتے میں تھا۔ جس کا نام یکہ (رباب) تھا۔

اسے یہ پتہ اپنے ہاتھ میں لینا تھا صرف کچھ دیر کے لئے اور وہ اتنا مجبور تھا کہ اس نے ''جوا'' ناپسند ہونے کے باوجود کھیلنا شروع کر دیا تھا اسے گڈی کی زندگی کے ساتھ ساتھ امبرین اور ناجیہ کی زندگی کا آپشن بھی ذہن میں رکھنا تھا جن کی شادیوں کے لئے ان کی سسرال کی طرف سے روز بروز اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ یقیناً ان کی شادیوں کی تیاری عنقریب ہی شروع کر دیتا اگر اچانک گڈی کو یہ بیماری نہ ہوتی لیکن جتنی رقم کی آفر میڈم جہانیاں نے کی تھی اس کے گھر کی اور گھر والوں کی تمام ضرورتیں پوری ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان سے لون لیتا تو اگلے دو تین سال اقساط ادا کرنے میں گزر جاتے اور دونوں بہنیں کنواری بیٹھی رہتیں اس لئے اس نے بہت کم وقت میں بہت دور تک سوچ لیا اور میڈم کی آفر قبول کر لی تھی، مگر اب اس آفر کے بعد کے نتائج اپنے گھر والوں کے سامنے رکھتے ہوئے دماغ ساتھ ہی نہیں دے رہا تھا، دو تین بار بھرجائی سے بات کرنے کا سوچا تھا پھر بھرجائی کا ری

ایکشن سوچ کر رک گیا اور ایک تو وہ ہاسپٹل میں تھیں اور دوسرا یہ اچانک خبر؟

''کچھ کہنا چاہتے ہو؟'' اماں کو کمرے سے نکلتے دیکھ کر بھر جائی نے اس کے کندھے پہ شفقت سے ہاتھ رکھا۔

''وہ بھر جائی میڈم جہانیاں کی بیٹی ہے رُباب جہانیاں؟'' اسے عجیب بے ترتیب اور بے تکا سا جملہ سوجھا تھا۔

''ہاں کیوں کیا ہوا؟''

''اس کی شادی ہوگئی۔''

''ارے کب تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' انہیں افسوس ہوا تھا وہ اتنے اونچے خواب دیکھتی تھیں کہ سکندر بھی اندازہ نہیں کرسکتا تھا۔

''کچھ عرصے پہلے......''

''کس کے ساتھ ہوئی؟''

''ہوگا کوئی اس جیسا امیر کبیر جدی پشتی رئیس......''

''نہیں بھر جائی وہ بہت غریب ہے اتنا غریب کہ دوا لینے کے لئے اس کے پاس دس روپے بھی نہیں ہوتے......'' وہ شکستگی سے بولا تھا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے میں نے میڈم جہانیاں کے ہر انٹرویو میں پڑھا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کسی اعلیٰ خاندان میں بیاہیں گی ان کا داماد لاکھوں میں ایک ہوگا۔''

''تو میں لاکھوں میں ایک نہیں ہوں کیا؟'' وہ استہزائیہ ہنسا تھا بھر جائی نے چونک کر دیکھا۔

''کیا کہا......؟''

''میڈم جہانیاں کا داماد میں نہیں ہوسکتا؟'' وہ جیسے اپنے زخموں سے خود کھرنڈ نوچ رہا تھا اور ان زخموں سے زہریلی ہنسی لہو کی مانند رس رہی تھی۔

''ہاں میں، اور وہ لڑکی جس کے آپ خواب دیکھتی ہیں وہ اس وقت آپ کے گھر میں ہے۔''

''تم ہوش میں ہو نا؟''

''بھر جائی اک ہم ہی تو ہوش میں ہیں۔'' وہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

''یہ کیسے ہوا؟''

''آپ کے لئے لے کر آیا ہوں اسے۔'' وہ مذاق کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں سنجیدہ ہوں سکندر......''

''میں سچ کہہ رہا ہوں بھر جائی آپ لوگوں کی ''خاطر'' ہی اسے لے کر آیا ہوں، ورنہ مجھے کیا ''ضرورت'' تھی؟'' مذاق میں تلخی کی آمیزش بھی تھی۔ وہ چپ ہوگئیں۔

''اماں کو بتایا ہے؟''

''نہیں۔''

''تو کب بتاؤ گے؟''

''آپ بتا دیں۔''

''مجھے تو پوری بات کا پتہ ہی نہیں۔''

''بتا دیتا ہوں آپ کو۔'' اس نے جو کچھ سوچ رکھا تھا وہ بھرجائی سے کہلوا دیا تھا اور اماں کتنی دیر ساکت بیٹھی رہ گئی تھیں۔



جس روز وہ گڈی کو ڈسچارج کروا کے گھر لائے رباب اس وقت سو رہی تھی لیکن کاشی اور فانی نے دادی اور اپنی ماں کو تفصیل بتانا شروع کر دی تھی اماں کا موڈ آف تھا۔ کوئی بات بھی توجہ سے نہیں سنی تھی۔ الٹا کاشی اور فانی کو وہاں سے بھگا دیا تھا۔ امبرین اور ناجیہ بھرجائی کے کانوں میں کھسر پھسر کرنے گھس گئیں، لیکن جو اطلاع بھرجائی نے دی وہ ان دونوں کو بھی دنگ کر گئی تھی۔

''میری طرح وہ بھی تم لوگوں کی بھرجائی ہے.....''

''ہونہہ بھرجائی...... نہ جانے کہاں سے اٹھا لایا ہے ایسی امیر زادیاں جوان گھبرو مرد دیکھ کر تو بیٹھے بیٹھے ہی مر مٹ جاتی ہیں۔ دیکھ لینا اک منٹ بھی نہیں ٹکے گی۔ خوش فہمی میں ہے میرا بیٹا کہ وہ اس کے ساتھ رہے گی۔ دیکھنا چلی جائے گی چھوڑ کر چار دن کی چاندنی ہے۔'' اماں ہسپتال سے ہی جلی بھنی آئی تھیں فوراً دل کے پھپھولے پھوڑنے بیٹھ گئی تھیں۔

''اماں دونوں کی مرضی تھی انہوں نے بیاہ کر لیا تو آپ کیوں دل جلا رہی ہیں ایک نہ ایک دن تو اس کی شادی کرنا ہی تھی۔''

''ارے خود کرتی اپنے ہاتھوں سے۔ اپنے دل کے ارمان پورے کرتی رسم کرتی پانی وارتی۔ نظر اتارتی لیکن اس نے تو کچھ بھی نہیں کرنے دیا۔'' وہ خار کھائے بیٹھی تھیں، بھرجائی مسکرا دیں۔

''تو اب پانی وار لیں، نظر اتار لیں ابھی کون سا دیر ہو گئی ہے۔''

''دیکھ تو طرف داری نہ کر...... تو نہیں جانتی شہر کی چڑیلیں کیسی ہوتی ہیں نخرہ ہی ختم نہیں ہوگا۔''

''نہیں اماں! وہ ایسی تو نہیں ہیں وہ تو بہت اچھی طبیعت کی ہیں کوئی نخرہ بھی نہیں ہے۔'' امبرین نے فوراً یہاں اماں کی غلط فہمی دور کرنا ضروری سمجھا تھا۔

''دیکھا چار دن میں ہی اس کا رنگ آ گیا نا ان پر بھی۔'' اماں کو اختلاف ہوا تھا۔

لیکن شام اور عصر کے درمیانی وقت میں جب وہ صحن میں بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں وہ کمرے سے باہر نکل آئی اور سیدھی ان کے پاس آئی تھی۔

''السلام علیکم اماں جی۔'' انہوں نے چونک کر دیکھا لیکن اسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں وہ موم سا دودھیا پیکر ان سے مخاطب تھا، اس کی پاکیزگی اور شرافت آنکھوں سے عیاں تھی معصوم جلد میں گلابیاں گھلی ہوئی تھیں وہ انہیں بہت پیاری لگی تھی۔ انہوں نے سب کچھ بھول بھال کر

اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ اسی وقت وہ بھی نماز پڑھ کے گھر آیا تھا، اماں کو والہانہ انداز سے رباب جہانیاں کو پیار کرتے دیکھ کر کچھ ریلیکس ہو گیا تھا، ورنہ اماں کا موڈ دیکھ کر خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ رباب کا بندوبست کہیں اور کرنا پڑے گا۔

''اری ناجیہ پانی لے کر آ میں اپنی بہو بیٹے کی نظر اتاروں۔''

انہوں نے خوشی سے لبریز لہجے میں کہا تھا۔

گاؤں میں شادی کے بعد بہو کا قدم گھر میں پڑتے ہی ساس، بہو بیٹے کے سر سے پانی وار کر خود پینے کی رسم کرتی تھی۔ گویا وہ اپنے بہو بیٹے کی مشکلیں مصیبتیں اور آفتیں اپنے اوپر لے لیتی تھی اور اس پانی پینے کے دوران بیٹا ہاتھ مار کر وہ پانی گرا دیتا تھا کہ میری ماں یہ آفتیں خود پہ نہ لے یوں پانی گر جانے سے دونوں افراد آفتوں سے محفوظ رہ جاتے تھے۔

''یہ لو اماں۔'' ناجیہ نے مسکراتے ہوئے پانی کا گول برتن لا کر اماں کو تھما دیا تھا، بھرجائی بھی اپنے کمرے سے نکل آئی۔

''سکندر ادھر آ پتر......'' اماں نے اپنے کمرے کی سمت بڑھتے سکندر کو آواز دی۔

''جی اماں کہیے؟''

''ادھر اپنی دلہن کے ساتھ کھڑا ہونا۔'' انہوں نے جھنجھلا کر کہا اور بازو سے پکڑ کر رباب کے ساتھ کھڑا کیا وہ حیرانی اور نا سمجھی سے اس قسم کی رسم اور ان کا شوق دیکھ رہی تھی۔

''اماں پانی پینے لگیں تو ہاتھ مار کر گرا دینا۔'' بھرجائی نے سمجھایا وہ دونوں قربانی کے بکروں کی طرح چپ کھڑے تھے اور جیسے ہی ماں نے تین بار پانی وار کے پینے کی کوشش کی سکندر نے پانی گرا دیا تھا۔ امبرین، ناجیہ، بھرجائی سب ہنس پڑیں کاشی اور فانی بھی آج یہ جان کر چہک رہے تھے کہ وہ حسینہ ان کی چاچی ہے......

''سدا سہاگن رہو، اللہ گود ہری کرے، دودھو نہاؤ پوتو پھلو، رب جوڑی سلامت رکھے۔'' دونوں کا ماتھا چوم کر دعائیں دیتی اماں جی کی آنکھوں کے گوشے بھیگ چکے تھے۔ آج ان کا حیدر ان میں نہیں تھا، ثمینہ کا جوڑ بچھڑ گیا تھا وہ اکیلی کھڑی تھی، آج وہ زندہ ہوتا تو سکندر کی دلہن کو پلکوں پہ بٹھاتا، اس کے لاڈ اٹھاتا......لیکن!



سکندر، ناجیہ اور امبرین تینوں بہت چھوٹے تھے۔ جب باپ کے سائے سے محروم ہو گئے تھے لیکن ان سے بڑے حیدر رحمٰن نے ان تینوں کو باپ جیسی شفقت سے محروم نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ ان دنوں ایف اے کا سٹوڈنٹ تھا، جب باپ کے کندھوں کی ذمہ داریاں اس پہ آ گئی تھیں، لیکن اس کے ماتھے پہ پریشانی کی شکن تک نہیں آئی تھی۔ اپنے گھر کے حالات اور مشکلات کو قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا تھا اور اپنی توجہ اور محنت کا مرکز اپنے بھائی بہنوں کو بنا لیا تھا۔ کچھ عرصہ شہر میں نوکری تلاش کی لیکن ایف اے کی ایک کمزور سی ڈگری کے ساتھ کون اسے قابل اعتنا جانتا؟ چنانچہ شہر سے مایوس ہو کر اپنے گاؤں کی ٹھانی اور اپنے باپ کی وراثت تھوڑی سی زمین کو اپنے پسینے کا پانی دینا شروع کر دیا تھا یوں گھر کا نظام کھیتی باڑی سے ہی

چل نکلا تھا اور ساتھ ساتھ سکندر کو پڑھانے کا سلسلہ بھی چل رہا تھا امبرین اور ناجیہ بھی پڑھ رہی تھیں۔

سکندر اس وقت B.B.A کا آخری سمسٹر کلیئر کر رہا تھا جب ان کی اکلوتی پھوپھی کی وفات کے بعد ان کی کزن ثمینہ ان کے گھر آ گئی تھی گھر میں دو، دو جوان لڑکوں کی موجودگی میں اس کے دامن پہ کوئی بھی داغ آ سکتا تھا۔ سو اماں نے سادگی سے ثمینہ کی رضامندی سے اسے حیدر کی دلہن بنا دیا تھا۔ شادی کے بعد دو سالوں میں یکے بعد دیگرے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ دونوں بچے گھر والوں کی جان تھے، لیکن سکندر کی جان ساتویں سال پیدا ہونے والی گڑیا میں جیسے قید ہو کے رہ گئی تھی۔

حیدر کو خود بھی بیٹی بہت عزیز تھی دن بھر کی تھکن کے بعد گھر آتا اور رو رہی ہوتی تو رات رات بھر جاگ کر اسے چپ کرواتا اور بہلاتا رہتا تھا، اکثر سکندر گھر پر ہوتا تو وہ بھی اس کام میں شامل ہو جاتا کہ ''میری گڈی'' رو رہی ہے میں کیسے سو سکتا ہوں؟'' اماں خفگی سے گھورتیں کہ بیٹیوں کے اتنے نازنخرے نہیں اٹھانے چاہئیں، زندگی میں اتار چڑھا آتے ہی رہتے ہیں، یہی لاڈ پیار اور نازنخرہ زندگی کے لئے مشکل بن جاتا ہیں۔

لیکن ان کے خیالات کچھ اور تھے، ان دونوں بھائیوں کا کہنا تھا کہ بہن بیٹیوں کا اتنا پیار اور اعتماد دو کہ وہ یہ چیزیں گھر سے باہر ڈھونڈنے پہ مجبور نہ ہوں، ان کے دل و دماغ اگر پہلے سے ہی سیراب ہوئے ہوں تو پھر کسی بھی ابر کی آرزو نہیں رہتی یہی سوچ کر حیدر نے بہنوں کو بھی بہت پیار دیا تھا اور اب بیٹی کے لئے بھی یہی حال تھا مگر اس محبتوں کا وقت بہت ہی محدود ثابت ہوا تھا۔

ایک روز کھیتوں کو پانی لگانے کی غرض سے ٹیوب ویل آن کرنا چاہا تھا کہ بجلی کا تار ننگا ہونے کی وجہ سے کرنٹ کے شدید جھٹکوں نے اس کی زندگی کو نگل لیا تھا۔ گاؤں والوں نے چیخ و پکار مچا کر اس کو ہر ممکن طبی امداد مہیا کی مگر وہ جانبر نہیں ہو سکا تھا اور یہ شاک ایسا تھا کہ گھر کے تمام افراد منجمد ہو کے رہ گئے تھے۔ سکندر دنوں پتھرایا رہا تھا نہ بھوک تھی نہ پیاس بس سفید کپڑوں میں لپٹا حیدر رحمٰن آنکھوں سے ہٹتا ہی نہیں تھا کاشی اور فانی چپ سے ہو گئے تھے لیکن ایک گڈی تھی جو بلک بلک کے باپ کی بانہوں کو تلاش کرتی تھی اور پھر سکندر کے بازوؤں میں چھپ جاتی تھی......

یہ گڈی ہی تھی جو اسے زندگی کی طرف کھینچ لائی تھی، کیونکہ زندگی ڈھونڈتی تھی، جب کہ اس گھر میں زندہ لاشوں سے لوگ رہنے لگے تھے اور سکندر کو اسے زندگی سے روشناس کرواتا تھا۔ وہ پہلے بچوں کو بہلانے میں کامیاب ہوا تھا، پھر بہنوں اور ماں کو سہارا دیا، البتہ بھرجائی کا غم تو وہ بانٹ ہی نہیں سکتا تھا، جن کا اس دنیا میں ان کے سوا کوئی نہیں تھا...... لیکن وقت آخر...... وقت ہے بذات خود ایک مرہم۔

ضرورت زندگی نے غم کو کچھ دبا دیا اور وہ غم روزگار کے لئے نکل پڑا تھا کھیتی باڑی اس کے بس کا روگ نہیں تھا، وہ ایسی چیزوں سے کوسوں دور تھا اور دور رکھنے والا حیدر رحمٰن تھا جو خود اسی کھیتی باڑی کی نذر ہو گیا تھا۔ آج اس کے بچے باپ کے سائے سے محروم ہوئے تھے تو سکندر کو ان کا سایہ بننا تھا، ماں کو تسلی دینی تھی، بہنوں کا سہارا بننا تھا اور بھرجائی کی تابعداری کرنا تھی لیکن زندگی کی پر شور ٹھاٹھیں مارتی ندی میں قدم رکھا تو پتہ چلا کہ ہر آنے والا ریلا اور کچھ نہیں کرتا، صرف قدم زمیں سے اکھاڑنے کی اور منہ کے بل گرانے کی کوشش کرتا ہے اور جو آدمی گر جاتا ہے جس کے قدم اکھڑ جاتے ہیں، یہ ندی اسے نگل جاتی ہے۔ لیکن سکندر رحمٰن کے قدم بھی جمے ہوئے تھے اور ندی پھر بھی اسے نگلے جا رہی تھی، اس کے دل میں صرف ایک ہی خواہش تھی کہ جس طرح حیدر رحمٰن نے اپنے بھائی، بہنوں کو پالا پوسا پرورش کی، کچھ کر دکھانے کی قابل بنایا، اس طرح وہ بھی ان کے بچوں کو بہت اعلیٰ

مقام تک لے جانا چاہتا تھا، ان کی اچھی تعلیم وتربیت ہی اس کی اولین ترجیح تھی، ان کی پرورش کے لئے اسے کچھ بھی کرنا پڑتا وہ یقیناً کر گزرتا اور اس چیز کا سب سے بڑا ثبوت رباب جہانیاں سے نکاح تھا۔



گاؤں کی ہر عورت کی زبان پہ اس کی اچانک منظر عام پر آنے والی بیوی کا ذکر تھا ہر دوسری عورت آپا رقیہ کی بہو دیکھنے آرہی تھی اور بہو دیکھنے کے بعد دل تھام لیتی تھی، جینز کرتے میں ملبوس بغیر دوپٹے کے گڑیوں جیسی لڑکی آپا رقیہ کی بہو تھی انہیں رشک آرہا تھا۔

''اے ہائے پکی شہرن (شہری) ہے چال ڈھال سے بھی امیر کبیر گھرانے کی لگتی ہے۔'' ایک عورت نے دوسری سے سرگوشی کی تھی اور رباب ان کے درمیان بیٹھی ان کی مبہم سرگوشیوں سے الجھن کا شکار ہونے لگی تھی اماں نے آنے والی خواتین کو مٹھائی دے کر رخصت کر رہی تھیں ایک تو پوتی کا آپریشن کامیاب ہوا تھا اس کی زندگی بچ گئی تھی اور دوسری بہو کی خوشی تھی گھر میں عورتوں کا تانتا بندھا ہوا تھا یہ جمگھٹا نہ جانے کتنی دیر تک رہتا، جب وہ اپنے کمرے سے نکل کر باہر جاتا ہوا دکھائی دیا تھا۔

''ویٹ آمنٹ پلیز۔'' وہ پیچھے سے پکاری تھی۔ سکندر نے ٹھٹک کر اسے دیکھا عورتیں بھی ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''ایکسکیوز می۔'' وہ عورتوں سے اپنے ہی سٹائل میں معذرت کرتی ان کے ننگ دھڑنگ بچوں کی ٹانگوں سے بچتی پاؤں رکھنے کی جگہ بناتی اس کے قریب آگئی تھی۔

''آپ کہاں جارہے ہیں؟''

''کیوں؟''

''وہ میں...... تھوڑی دیر کے لئے اس ماحول سے نکلنا چاہتی ہوں۔'' اس نے ذرا جھجک کر کہا تھا، آخر یہ ماحول سکندر رحمٰن کے قریب والوں کا ماحول تھا اور وہ انہی سے دور جانے کی بات کر رہی تھی۔ اس نے صحن میں بیٹھی خواتین پہ ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی۔

''ابھی تو ایسا ممکن نہیں ہے یہ سب آپ کے لئے آئی ہیں اور آپ چلی گئیں تو انہیں برا لگے گا فی الحال آپ کوئی بہانہ کر اپنے کمرے میں چلی جائیں......''

''لیکن یہ عورتیں تو کمرے میں بھی چلی آتی ہیں میں پہلے کمرے میں ہی تو تھی۔'' وہ جھنجلائی تھی۔

''بھرجائی۔'' سکندر نے گڈی کے کپڑے دھو کر تار پر پھیلاتی بھرجائی کو پکارا تھا۔

''کہو؟'' وہ دوپٹے سے ہاتھ خشک کرتی قریب آگئیں۔

''انہیں تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے دیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' ان نے رباب کی سمت اشارہ کیا تھا۔

''اچھا؟ تمہیں طبیعت کی خرابی کا بڑی جلدی پتہ چل گیا؟ ہمیں تو نہیں چلا؟'' ان کا لہجہ ذومعنی ہو گیا تھا۔ سکندر اور رباب بیک وقت خجل ہوئے تھے۔

''اوکے کے میں چلتا ہوں نماز کا ٹائم ہو رہا ہے۔''

''ارے رکو تو سہی آج بستر اکٹھا ہی لگے گا ایک کمرے میں۔'' بھرجائی نے اس کا بازو کھینچا تھا لیکن وہ رکا نہیں، البتہ رباب کا نہ چاہتے ہوئے بھی چہرہ تپنے لگا تھا۔

اور پھر سچ مچ رات کو اس کا بستر سکندر کے کمرے میں لگا دیا گیا تھا، پہلے وہ مہمانوں کی طرح دوسرے کمرے میں رہ رہی تھی، اب اس کا رشتہ واضح ہوا تھا تو اسے اس کے اصل ٹھکانے پہ پہنچا دیا گیا تھا۔ بھرجائی نے نیا نکور بستر نکال کر لگایا تھا، رباب کا سامان بھی رکھوایا اور پھر رباب کو بھی دھکیل دیا۔

وہ عشاء کی نماز پڑھ کے کافی دیر سے گھر آتا تھا تب تک بچے بھی سو چکے ہوتے تھے اور بڑے بھی بس ایک ماں تھیں جو جاگ رہی ہوتی تھیں اور اس کی دوسری دستک پہ ہی اٹھ کر دروازہ کھول دیتی تھیں، لیکن آج نہ بچے سوئے تھے نہ بڑے سبھی کدکڑے لگاتے پھر رہے تھے۔

''خیر تو ہے ناں؟ گڈی کیسی ہے؟'' اسے تشویش ہوئی تھی۔

''سب خیر ہے امبرین کچھ کہہ رہی تھی۔ تمہارے بارے میں۔'' انہوں نے چائے لے کر آتی امبرین کو دیکھا۔

''میرے بارے میں کچھ کہنے پہ پابندیاں تو ہے نہیں آپ کیوں سسپنس پھیلا رہی ہیں؟'' وہ چائے کا کپ لے کر وہیں برآمدے میں بیٹھ گیا تھا، ہلکی ہلکی سردی اس وقت شدت اختیار کر جاتی تھی اور نوجوان جسموں کو تو ایسا موسم بڑا بھلا سا لگتا تھا، وہ بھی اچھا محسوس کر رہا تھا۔

''لیکن وہ کچھ اور کہہ رہی ہے اسے تم سے کچھ چاہئے۔''

''اسے مجھ سے کچھ چاہے تو وہ خود کہے آپ کیوں وکیل بن رہی ہیں؟ امبرین ادھر آؤ۔'' اس نے امبرین کو بلا کر اپنے برابر بٹھا لیا تھا۔

''کیا کھچڑی پکائی گئی ہے؟'' اس نے امبرین کا سر تھپک کر پوچھا......

''کچھ نہیں بھائی میں نے تو کچھ نہیں کہا۔'' وہ بوکھلا کے بولی تھی ناجیہ اور بھرجائی نے ماتھا پیٹ لیا تھا۔

''لیکن بھرجائی تو۔''

''نن نہیں بھرجائی نے تو ایسے ہی کہہ دیا ہے کوئی بات ہے ہی نہیں۔'' امبرین کتنی ہی تیز طرار سہی بھائیوں کے سامنے نہیں بول سکتی تھی خصوصاً سکندر کی خاموش، خاموش سی نیچر سے خائف ہو جاتی تھی۔

''چاچو امبر پھوپھو نے نیگ لینا ہے اور پھر امی اور ناجو پھوپھو کے ساتھ بانٹنا ہے پیسے آدھے آدھے لینے ہیں......'' فانی نے فٹ سے آکر ان کا بھانڈا ''ٹھاہ'' کر کے پھوڑا تھا، پہلے امبرین کی بوکھلاہٹ اب فانی کا انکشاف؟ ناجیہ نے چپکے سے اپنے کمرے کی راہ لی جوان دونوں بہنوں کا مشترکہ تھا، اب رکنے کا فائدہ ہی نہیں تھا، لیکن اسے واپس آنا پڑا تھا۔ سکندر بلا رہا تھا......اس نے بھرجائی سمیت ان دونوں کو بھی نیگ دیا تھا۔

''چاچو کل نیگ ہم لیں گے۔'' فانی نے اپنا حساب بھی کلیئر کر لینا چاہا تھا۔

''اوکے یار لے لینا ابھی کل آنے تو دو......'' اس نے فانی کے بال بکھیرے پھر وہ اپنے اپنے کمروں میں بند ہو گئیں اور وہ کتنی ہی دیر

برآمدے سے نکل کر صحن میں ٹہلتا رہا تھا بہت دیر بعد جیب سے گھڑی نکال کر دیکھی جو وضو کرنے کی خاطر اتار کر جیب میں ڈال لی تھی۔

رات کے ایک بجے کا وقت ہو رہا تھا۔اور گاؤں میں یہ وقت تو مکمل بے ہوشی کا وقت ہوتا تھا ہر طرف ہو کا عالم تھا۔کبھی کہیں سے جھینگروں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں تو کبھی دور کہیں کتے کے بھونکنے کی آواز سناٹے میں شگاف ڈال دیتی تھی۔سردی کے تھپیڑے جسم و جاں میں رچنے لگے تھے اس کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔جس کا مطلب تھا کہ وہ بھی جاگ رہی تھی۔کچھ سوچ کر اس نے قدم اندر کی سمت بڑھا دیئے تھے۔وہ پلنگ کے کونے پہ ٹکی بیٹھی تھی، اسے دیکھ کر یکدم کھڑی ہو گئی تھی۔

''آپ ابھی تک خود نہیں سوئیں یا نیند نہیں آ رہی۔''اس نے رباب کی نیند سے بوجھل آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''نیند نہیں آ رہی۔''رباب نے سراسر جھوٹ بولا تھا۔

''یقیناً بستر آپ کے معیار کا نہیں ہوگا اس لئے۔''اس نے پلنگ کی سمت دیکھ کر استہزائیہ انداز سے کہا جب کہ رباب اسے محض دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''معذرت چاہتا ہوں میم میں آپ کے معیار کا قیمتی لکڑی کا جدید طرز کا بیڈ خرید کر نہیں لا سکتا میری اتنی اوقات ہی نہیں غریب بندہ ہوں، اسی پہ گزارا کر لیں اور ویسے بھی نیند تو کانٹوں پہ بھی آ جاتی ہے کسی کی آغوش جیسا بستر ضروری تو نہیں ہوتا۔''وہ اپنی قمیص کے بٹن کھولتا الماری کی سمت بڑھ گیا تھا۔

''آپ شاید میری اس روز والی بات کو بھولے نہیں ہیں؟''

''شاید نہیں میم......یقیناً اس بات کو بھول چکا ہوں کیونکہ میں آپ کا ملازم ہوں! ملازم اپنے مالک کے حکم پہ سونا جاگنا بھول جاتے ہیں۔بات بھلانا کون سا مشکل کام ہے؟ اور اگر مالک حکم نہ بھی کرے تو اس کی مجبوریاں، ضرورتیں اور غربت سب کچھ بھول جانے پہ مجبور کر دیتی ہیں۔''اس نے پلٹ کر اسے جواب دیا اور الماری کے پٹ کھول لئے تھے۔

''آپ ہمیشہ تلخ بات ہی کیوں کرتے ہیں۔''

''آپ کی مٹھاس مجھ سے ہضم نہیں ہوتی۔''اس نے الماری کے قریب ہی دیوار سے لگی کھونٹی پہ اپنا تولیہ لٹکایا اور پھر آستین کے بٹن کھول کر اپنی قمیص بھی اتار کر اسی کھونٹی سے لٹکا دی تھی، رباب کی نظر کو حیا آ گئی وہ اب شلوار پہ سفید رنگ کی بنیان پہنے ہوئے تھا۔اس کے مسلز دیکھ کر اسے اپنی فرینڈز یاد آ گئیں جو ایسی ہائٹ اور ایسے مسلز دیکھ لیتیں تو دیوانی ہو جاتی تھیں۔

''اگر آپ کو کہیں باہر نہیں جانا تو دروازہ بند کر دوں؟''

وہ دروازے کے پاس کھڑا پوچھ رہا تھا، اس نے نفی میں گردن ہلائی تو اس نے دروازہ بند کر دیا تھا، رباب کا دل بے اختیار دھڑکا تھا، لیکن وہ اس کی دھڑکنوں سے بے نیاز پلنگ سے ایک تکیہ، الماری سے سنگل کمبل اور نیچے بچھانے کے لئے رضائی لے کر بڑے ٹھاٹھ سے زمین پہ سونے کے لئے لیٹ چکا تھا اور وہ ہنوز کھڑی تھی۔

''سو جائیں میم! میری ضرورتیں کمرے سے باہر کی ہیں، کمرے کے اندر کی ضرورتیں کبھی منہ زور نہیں ہونے دیں، آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔'' اس نے کمبل اوپر کھینچتے ہوئے جو بات کہی رباب کٹ کے رہ گئی تھی۔ پلنگ کے سرہانے رکھی چھوٹی سی میز پہ جلتا لیمپ اس نے بڑی دقتوں سے بند کیا تھا اور اپنے پاؤں لحاف میں کر لئے تھے۔ رباب کی دھڑکنیں نیچے فرش پہ دھڑک رہی تھیں۔



⊛......⊛......⊛

''رباب کیسی ہے؟'' میڈم جہانیاں نے اسے دیکھتے ہی پہلا بے تابانہ سا سوال کیا تھا، حالانکہ وہ روزانہ فون پہ اس کی خیرت پوچھتی رہتی تھیں۔

''بالکل ٹھیک ہیں۔''

''اداس تو نہیں تھی؟''

''ایک جانور کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دیا جائے تو وہ اداس ہو جاتا ہے۔ وہ تو پھر انسان ہیں۔ اپنی اتنی پر آسائش زندگی سے ایک دم ایسے لیول پہ آجانا جس کا کوئی سینس بھی نہ ہو اداس تو کر دیتا ہے نا؟'' وہ جیسے رباب کی طرف داری کر رہا تھا۔

''یہ پر آسائش زندگی اسی کی ہے اور اسی کی رہے گی۔ بس کچھ دیر کے لئے سہولیات سے دور رہ کر صبر کرنے میں بھی اسی کا بھلا ہے، اسی کی زندگی کا تحفظ ہے، تم اسے سمجھاتے رہا کرو، وہ کبھی ضدی اور جذباتی بھی ہو جاتی ہے۔ کچھ ایسا ویسا کہہ دے تو برداشت کر لینا ورنہ اتنی خود سر نہیں ہے وہ۔'' ان کے لہجے میں بیٹی کے لئے بے تحاشا پیار اور ماستا کے جذبات ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔

اگر ان کا مسئلہ جلدی حل ہو جاتا تو سکندر بھی اپنی ذمہ داری سے جلدی آزاد ہو سکتا تھا، اسی لئے استفسار بھی کر رہا تھا۔

''بہت دنوں سے سنی کہیں نظر نہیں آیا میں نے کچھ لوگوں کو اس پہ چیک رکھنے کے لئے بھیجا تھا، لیکن وہ نجانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔ کوئی اتا پتا نہیں ہے اس کا جب کہ میرے بھائی صاحب رباب کو ڈھونڈنے کے لئے حسب توقع امریکہ اور کینیڈا کو کھنگال آئے ہیں۔ ابھی بھی ان کو یہی شک ہے کہ رباب یقیناً یورپ میں روپوش ہوئی ہے اور وہ بار بار اپنی جاسوسی کے گھوڑے یورپ کی طرف ہی دوڑا رہے ہیں۔''

''پھر آئندہ کے لئے کیا سوچا آپ نے......؟''

''اتنی جلدی گھبرا گئے ہو میری بیٹی سے؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اک میٹھا سا وار کیا تھا، لیکن پس پردہ انداز جتانے والا تھا۔ وہ اندر سے سلگ اٹھا تھا کتنی بے نیازی سے کہا جا رہا تھا، جیسے ان جیسا معصوم ابھی کوئی پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کی بیٹی مجھ سے گھبرا جائے؟''

''نہیں، تم بہت کول مائنڈ آدمی ہو وہ تم سے نہیں گھبرائے گی۔''

''ہمیشہ لوگ کول مائنڈ کو ہی کیوں روندتے ہیں؟'' وہ پھر تلخ ہوا تھا

''تم شاید بھول رہے ہو کہ ہم نے تمہیں کہیں بھی نہیں روندا خود تم ہمارے پاس مدد کے لئے آئے تھے۔''

''مدد کے لئے نہیں میڈم آفس اکاؤنٹ سے کچھ رقم ایڈوانس لینے کے لئے آیا تھا۔'' اس نے ان کی بات کاٹی اور اپنی بات واضح کی تھی۔

"حالانکہ تم جانتے بھی تھے کہ تم عارضی جاب کر رہے اور ایڈوانس میں اتنی بڑی رقم ہرگز نہیں ملے گی۔"

"تو پھر آپ نے عارضی جاب کرنے والے ایک ناقابل اعتماد آدمی کو اپنی بیٹی کی ذمہ داری کیسے سونپ دی؟" یہاں میڈم کشور جہانیاں لاجواب ہوئی تھیں، لیکن اپنی لاجوابی وہ ظاہر تو نہیں کر سکتی تھیں؟

"اسے تم مجبوری بھی تو کہہ سکتے ہو۔"

"ضرور کہہ سکتا ہوں اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے میری بیٹی (گڈی) کی زندگی کے بدلے اپنی بیٹی کی زندگی کے تحفظ کا سودا کیا......"

"شٹ اپ سکندر تمہیں شاید خبر نہیں کہ تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو، میں اپنی بیٹی کا سودا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"جب کہ یہ سودا ہو چکا ہے......" نہ جانے کیوں وہ آج میڈم کا دل جلانے کے درپے تھا۔

"تم اپنی چھٹانک بھر کی بھتیجی کا مقابلہ میری بیٹی سے کر رہے ہو؟"

"چھٹانک بھر میں تو یوسف بھی بک گئے تھے میڈم میری بھتیجی تو آپ کی ایسی دس بیٹیوں پہ بھی بھاری ہے۔ پھر آپ کو غرور کیسا؟ اس نے آج پہلی جی بھر کے غبار نکالا تھا، میڈم کشور جہانیاں اس کی صورت دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"تمہاری بھتیجی میں کیا خاص بات ہے؟" وہ گھورنے لگیں اور سکندر بہت عرصہ بعد ایک فلک شگاف بھرپور قہقہہ لگا کے ہنسا تھا اس کے قہقہے کی دلکشی ان کے آفس روم میں خوشبو کی طرح بکھری تھی۔

"میری بھتیجی میں یہی خاص بات ہے کہ وہ میری بھتیجی ہے، میرے سگے بھائی کی اولاد، ان کی بیٹی ہے کیا اس سے زیادہ خاص بات کوئی اور ہو سکتی ہے؟" اس کے تصور کے پردے پہ گڈی کی شبیہ لہرائی تھی، اس کے ہونٹ پھر سے متبسم ہو گئے تھے۔ میڈم کشور جہانیاں اس کے چہرے پہ بکھرتے رشتوں کے نرم احساسات کا عکس دیکھ کر کچھ ٹھنڈی پڑ گئی تھیں۔

"لگتا ہے بہت پیار کرتے ہو بھتیجی سے؟" ان کا لہجہ عجیب سوز لیے ہوئے تھا۔

"وہ میری جان ہے۔" اس نے شدت سے کہا تھا۔

"خوش نصیب ہے وہ۔" میڈم کے لہجہ پہ اس نے چونک کر دیکھا نہ جانے کیوں میڈم اسے کسی حسرت کسی دکھ کا شکار نظر آئی تھیں، بے ساختہ ہی اپنی چیئر سے اٹھ گئی تھیں۔

"آر یو آل رائٹ میڈم؟" وہ بھی کچھ فکرمند سا ہوا تھا کرسی چھوڑتے ہوئے فوراً ان کی تقلید کی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہوں آج رُباب کی فرینڈ کی لکی کے پیرنٹس کی ویڈنگ اینورسری ہے وہاں جانا ہے۔" وہ اپنی بے کلی چھپاتے ہوئے بیگ لے کر باہر نکل آئیں۔

"تم چلو گے میرے ساتھ؟" لفٹ کا بٹن پش کرتے ہوئے انہوں نے اپنی بے دھیانی سے باہر آتے ہوئے پوچھا۔

"تھینکس......" اس نے مختصراً کہا تھا اور پھر دونوں آگے پیچھے ہی آفس کی عمارت سے باہر آئے تھے اور سیڑھیاں اتر کر پارکنگ کی سمت

مڑتی روش پہ آ گئے تھے۔

''آپ کل آفس کا وزٹ کریں گی؟'' اس نے یونہی چلتے چلتے اپنی پینٹ کی جیب سے گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے میڈم کی سمت دیکھ کر پوچھا تھا، لیکن نظر روش کے اس پار اٹھی تھی جہاں چھٹی حس نے الارم دیا تھا اس سے پہلے کہ وہ میڈم کا جواب سنتا اس نے میڈم جہانیاں کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر یکدم اپنی اوٹ میں کھینچا تھا۔

''سکندر......'' میڈم نے چونک کر دیکھا لیکن تب تک فضا میں ایک تڑخ کے ساتھ گونج بیدار ہوئی اور سکندر کا بازو درد سے سن کرتی خون کی برسات کر گئی تھی۔ اس نے میڈم جہانیاں کو ایک گاڑی کی سائیڈ میں دھکیل دیا تھا اور اس حرکت کے نتیجے میں دوسری گولی بھی اس کا بازو چھید گئی تھی۔ اس کے ہاتھ سے اپنی گاڑی کی چابی چھوٹ گئی تھی۔ اس کا دایاں بازو جیسے کٹ چکا تھا، خون کی دھاریں بہت دور تک پھیلتی گئیں اور وہ درد سے دوزانوں زمین پہ بیٹھا تھا اس کے بعد بھی دو فائر اور ہوئے لیکن ان سے بچاؤ ہو گیا تھا، تمام سکیورٹی گارڈز بھی حرکت میں آ چکے تھے لیکن میڈم جہانیاں ششدر سی کھڑی تھیں، وہ ان کو بچانے کے لئے اپنی جان پہ کھیل گیا تھا، اس کا پانی کی طرح روانی سے بہتا خون ان کا دماغ ماؤف کر چکا تھا۔ اگر وہ خود پیچھے ہٹ جاتا تو یہی گولیاں میڈم کشور جہانیاں کے وجود کو چھید ڈالتیں اور اس کی بجائے اس وقت کا ان کا خون بہہ رہا ہوتا۔

بہت جلد ہی قریبی ہاسپٹل سے ایمبولینس آ گئی تھی اور بہت سے کیمرہ مین اور صحافی بھی پہنچ چکے تھے۔

''میڈم آپ پر حملہ کس نے کیا؟''

''کیا آپ کو کسی پہ شک ہے؟ آپ نے حملہ آور کو دیکھا؟''

''کسی سے کوئی ذاتی دشمنی وغیرہ؟'' طرح طرح کے سوال ابھر رہے تھے لیکن وہ ایک دم خاموش تھیں انہیں اس وقت کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا نہ کوئی سوال نہ کوئی جواب، وہ ہسپتال کی راہداری میں ٹہل رہی تھیں سکندر آپریشن تھیٹر میں تھا، ایک گولی اس کے بازو میں پھنسی رہ گئی تھی، جس کے لئے آپریشن ضروری تھا۔

''آنٹی کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟ اور وہ سکندر صاحب کیسے ہیں؟'' لکی اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ بدحواسی کے عالم میں وہاں پہنچی تھی سکندر اور رباب کے رشتے سے لکی کے گھر والے بھی لاعلم تھے۔

''یہ سب ہوا کیسے؟'' لکی کی می ان سے پوچھ رہی تھیں اور وہ یکدم صوفے پہ ڈھے گئی تھیں ان کا ماں جایا ان کا دشمن ہو چکا تھا۔



وہ رات بھر نہیں سو سکی تھی دل بے وجہ ہی بے سکون ہوا جا رہا تھا بستر پہ کروٹیں بدلتے رات ڈھلی تھی اور تہجد سے ذرا دیر بعد ہی گھر کی دیوار پہ مرغ نے بانگ دی تھی، جس کے ساتھ ہی باقی پرندوں کی حمد و ثنا بھی سنائی دینے لگی تھی، وہ بے کلی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ سردی کا سرد سپاٹ سا جھونکا ٹھٹھرا کے رکھ گیا تھا، لیکن اس کے اندر اضطراب کی تپش تھی اسی لئے وہ ان جھونکوں میں رچی سردی کو سہہ گئی تھی۔

''خیر تو ہے پتر آج صبح صبح کیوں اٹھ گئیں؟'' اماں جی وضو کر کے غسل خانے سے نکل رہی تھیں۔ اس کو پہلی مرتبہ اتنی صبح بیدار ہوتے دیکھ

کر تشویش سے پوچھا تھا۔

''جی وہ آج جلدی آنکھ کھل گئی۔'' اس نے ان کو سلام کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو آپس میں مسلا تھا۔ اپنی فیلنگز خود ہی سمجھ نہیں آرہی تھیں۔

''اگر اٹھ ہی گئی ہو پتر تو وضو کر کے نماز پڑھ لو، نماز میں بڑا سکون ہے۔'' وہ شاید اس کی اضطراری کیفیت دیکھ چکی تھیں......

''نماز؟'' وہ چونکی۔

''ہاں تم بیٹھو ثمینہ تمہیں پانی گرم کر دیتی ہے تم وضو کر لینا میرے کمرے میں آجاؤ وہاں جائے نماز بچھی ہے۔''

وہ اس کا سر تھپک کر چلی گئیں۔ بھرجائی باورچی خانے میں آگ جلائے وضو کے لیے پانی گرم کر رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ امبرین اور ناجیہ بھی اٹھ گئیں۔

رباب پہلی مرتبہ ان کو اتنی صبح اٹھ کر نماز پڑھتے دیکھ رہی تھی۔ مسجد سے قاری صاحب کی صلوٰۃ پڑھنے کی آواز آرہی تھی گویا بچوں کا مسجد کا سیپارہ پڑھنے کا ٹائم بھی ہو چکا تھا، امبرین نے خود نماز پڑھنے کے بعد کاشی اور فانی کو اٹھایا اور وضو کروا کے گرم کپڑے پہنائے اور سیپارہ تھما کر ان کو مسجد بھیج دیا تھا۔ دن بھر شرارتیں اور ضدیں کرنے والے اس وقت بڑی شرافت سے ٹوپیاں پہنے قرآن پاک کا سبق پڑھنے جا رہے تھے۔ گڈی اماں جی کی گود میں بیٹھی ان کی تلاوت سن رہی تھی اور رباب دوپٹہ اوڑھے نماز پڑھنے کے بعد ابھی تک دُعا کے لئے الفاظ تلاشتی پھر رہی تھی۔ دماغ سے بوجھل پن ہٹ گیا تھا، لیکن دل جو کچھ مانگ رہا تھا لب ساتھ نہ دے رہے تھے۔ سو وہ اپنے دل کا معاملہ رب پہ چھوڑ کے جائے نماز سمیٹ کر اٹھ گئی تھی۔ باہر نکلی تو ناجیہ دودھ بلونے اور لسی بنانے میں اور امبرین صحن کی صفائی کرنے میں مصروف نظر آئی تھی۔

''بھابی آج صبح صبح اٹھنا کیسا لگ رہا ہے؟'' امبرین نے صحن کے کونے سے مالٹوں اور گنے کے چھلکے سمیٹ کر کوڑے دان میں ڈالتے ہوئے پلٹ کر ستون سے ٹیک لگائے کھڑی رباب سے پوچھا۔

''اچھا لگ رہا ہے۔'' اس نے حقیقتاً جو محسوس کیا وہی کہا تھا، یہ اور بات تھی کہ دل بجھا بجھا سا تھا۔

''تو پھر ذرا وہ مرغیوں کا ڈربا تو کھول دیں۔'' اس نے دیوار کے ساتھ کچی مٹی اور اینٹوں سے بنے ڈربے کی طرف اشارہ کیا، جس میں بے حد چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ بنا کر لگایا تھا اور دروازے کی کنڈی میں اڑسا چمچ تالے کا کام دے رہا تھا۔ رباب نے خاموشی سے آگے بڑھ کے وہ چمچ نکالا (بلکہ تالا کھولا) اور جھک کر چھوٹا سا دروازہ کھول دیا لیکن وہ یکدم چیخ اٹھی تھی ایک دم ریلے کی صورت میں باہر نکلنے والے چوزے اور مرغیاں ادائے بے نیازی سے اپنے پنجے اس کے پاؤں پہ رکھتیں پاس سے گزر گئیں امبرین کھلکھلا کر ہنسی تھی، رباب نے پلٹ کر اسے دیکھا، وہ اس کی شرارت سمجھ گئی، اس نے جان بوجھ کر اسے ڈربا کھولنے بھیجا تھا۔

''رباب ناشتہ کرلو......''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے اپنے پاؤں دھوئے اور آکر چارپائی پہ بیٹھ گئی۔ سورج کی کرنیں جسم کو بھلی لگ رہی تھیں۔ ہر کرن بڑی روشن تھی، چمکدار سونے کی طرح دمکتی ہوئی لیکن پھر بھی اس کا دل ان کرنوں سے بہلنے سے قاصر تھا......

''سکندر کا فون آیا؟'' بھرجائی نے اچانک پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' افسردگی سے جواب ملا۔

''تو تم خود کر لو وہ مصروف ہوگا۔''

''میرے سیل میں بیلنس نہیں ہے مام کے سیل پہ ایس ایم ایس بھی کیا ہے لیکن کوئی ری پلائی نہیں ملا۔ میرا دل بہت پریشان ہو رہا ہے۔'' وہ بھرجائی سے اپنی فیلنگز شیئر کرنے سے خود کو روک نہیں پائی تھی۔

''ارے پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ابھی میں کاشی کو بھیج کر نجف کو بلواتی ہوں۔ وہ تمہارے لئے کارڈ لے آئے گا تم بات کر لینا......'' بھرجائی نے اسے تسلی دی اور پھر نو دس بجے قریبی قصبے سے نجف اس کا مطلوبہ کمپنی کے موبائل کارڈ لے آیا تھا۔ اس نے بے تابی سے نمبر ڈائل کئے تھے لیکن سکندر کا فون آف تھا پھر میڈم جہانیاں کا نمبر ڈائل کیا وہ بھی آف تھا تیسرا نمبر لکی کا تھا وہاں رنگ جا رہی تھی، لیکن کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے آخر ان لوگوں کو؟'' وہ بری طرح جھنجلائی تھی۔ دل مزید وسوسوں میں گھر گیا تھا۔ اس نے تیزی سے ایک ایس ایم ایس ٹائپ کیا اور لکی کے نمبر پہ سینڈ کر دیا تھا اور پھر ری پلائی کا انتظار کرنے لگی، لیکن دوپہر سے شام ہو گئی تھی، کسی طرف سے بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ وہ رو دینے کو تھی جب اچانک موبائل پہ وائبریشن کا احساس ہوا اس نے جھپٹ کے بستر سے موبائل اٹھایا، دوسری طرف لکی تھی۔

''کہاں تھیں تم، میں نے دن میں کتنی دفعہ ٹرائی کیا تھا، ایس ایم ایس بھی چھوڑا تم نے کوئی جواب ہی نہیں دیا؟'' وہ یکدم بولنا شروع ہو گئی۔

''میں گھر میں نہیں تھی اور موبائل کمرے میں رہ گیا تھا۔'' لکی کی آواز کچھ سست اور مدھم تھی رباب کے کانوں میں الارم بجا تھا۔

''کیوں کہاں تھیں؟''

''تمہاری مام کے پاس تھی۔''

''لکی پلیز رکو مت مجھے بات بتاؤ۔'' رباب کا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگا۔

''رباب! وہ دراصل کل رات تمہاری مام پہ قاتلانہ حملہ ہوا تھا، لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں ان کو ہلکی سی خراش بھی نہیں آئی۔ شی از فائن......بٹ!''

''لیکن کیا لکی؟ پلیز مجھے بتاؤ......سکندر کیسا ہے؟'' اس نے بڑی مشکل سے سہی لیکن وہ سوال کر ہی دیا جو صبح سے ہی نہیں رات سے دل میں بے کلی اور بے سکونی کی ایک بستی آباد کر چکا تھا، وہ کب سے یہی تو پوچھنے کے لئے بے چین تھی کہ سکندر کیسا ہے؟ اور کہاں ہے؟

''وہ بھی ٹھیک ہیں۔''

''تو اس کا موبائل کیوں آف ہے اسے کہو مجھے فون کرے، مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' وہ نجانے کیوں اس کے لئے اتنی جذباتی ہوئی جا رہی تھی۔

''وہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں رباب انہیں دو گولیاں لگی ہیں، میں ابھی وہیں سے آئی ہوں، تمہاری مام بھی انہی کے پاس ہیں۔''

''جسٹ شٹ اپ لکی!'' وہ یکدم چیخی۔

''اتنی بڑی بات تم مجھے اب بتا رہی ہو؟ اور.....اور میں رات بھر سے پاگل ہو رہی ہوں۔ تم لوگوں کے پاس مجھے بتانے کی بھی فرصت نہیں تھی کہ اگر.....اگر کچھ ہو جاتا تو؟'' وہ بے ساختہ رو پڑی تھی اس کی تمام حرکات بے اختیاری تھیں، لکی اس کے رونے سے گھبرا گئی تھی۔

''رباب وہ بالکل ٹھیک ہیں گولیاں بازو میں لگی تھیں، جن کو آپریشن سے نکال دیا گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ تقریباً دس پندرہ منٹ کے لئے ہوش میں آئے تھے۔ انہوں نے ہی کہا ہے کہ اس ایکسیڈنٹ کی اطلاع ان کے گھر والوں کو نہیں دینی وہ خود آ کر بتا دیں گے ابھی وہ میڈیسن کے زیر اثر ہیں ان کی کنڈیشن کچھ بہتر ہوئی تو تم فون پہ خود ان سے بات کر لینا آنٹی ابھی بھی وہیں ہیں۔''

''پلیز لکی میرا دل بند ہو جائے گا، مجھے بتاؤ وہ کیسے ہیں؟ کوئی سیریس معاملہ تو نہیں ہے؟'' وہ ہچکیوں کے درمیان پوچھ رہی تھی۔

''کوئی سیریس بات ہوتی تو میں اس وقت اتنی آسانی سے تم سے بات نہ کر رہی ہوتی، البتہ آنٹی کو صحافیوں نے اور پولیس نے گھیر رکھا ہے۔ آنٹی ابھی سنی اور انکل ذاکر کا نام نہیں لے رہیں وہ اس کیس کو خفیہ طریقے سے حل کرنا چاہتی ہیں۔''

''اب وہ اور کتنا خفیہ رکھیں گی اور کیا باقی ہے؟ وہ کوئی سٹینڈ کیوں نہیں لے رہیں؟'' وہ جھنجھلا کر چیخی تھی۔

''ان کا کہنا ہے اگر وہ میڈیا والوں کے سامنے یہ کہہ دیں کہ ان کا بھائی اور بھتیجا ان کا دشمن ہو چکا ہے تو اس سے انہی کی ساکھ متاثر ہو گی کہ میڈم کشور جہانیاں کے اپنے ہی ان کے دشمن ہیں اور پھر اس دشمنی کی وجہ کو اچھالا جائے گا اور سوالات ذاتی زندگی تک پہنچ جائیں گے۔'' لکی نے اسے تفصیل سے سمجھایا تھا اور رباب نے اپنے غصے اور آنسوؤں کو بمشکل مٹھیاں اور لب بھینچ کر ضبط کیا تھا پھر فون ہی بند کر دیا تھا۔

وہ پلنگ پہ بیٹھی تکیے پہ جھکی ہوئی بری طرح روئی تھی۔ اس کی بے چینی اور اضطراب کا منہ کھل گیا تھا۔ جس احساس نے اسے رات سے گھیر رکھا تھا وہ احساس اب اچانک برہنہ ہو کر اس کے سامنے آیا تھا اور وہ دم بخود رہ گئی تھی۔

محبت ایک ایسا پنچھی ہے جو صدیوں دل کے گھونسلے میں چپ سادھے بیٹھا رہتا ہے اور کبھی باہر نہیں نکلتا اور جب نکلتا ہے تو صرف دو کیفیات ہیں، صرف دو لمحات میں یا پھر دو موسموں میں! ایک الفت کی کیفیت میں ایک نفرت کی کیفیت میں! ایک قربت کے لمحات میں اور ایک فرقت کے لمحات میں یا پھر کسی دلکش موسم میں یا کسی دکھ کے موسم میں! رباب ک دل میں چھپا بیٹھا پنچھی بھی دکھ کے موسم میں باہر آیا تھا اور اسے ادراک ہوا کہ اس پنچھی کا نام محبت ہے اور محبت میں محبوب تکلیف میں ہو تو صبر بھلا کیسے آتا ہے؟

وہ بھی شہر کو بھاگنے کے لئے بے تاب تھی اس کی زندگی کے سامنے اپنی زندگی کی قدر و قیمت کھو گئی تھی۔ لیکن اگر وہ کسی بے تابی اور پریشانی کا مظاہرہ کرتی تو گھر میں سب کو پتہ چل سکتا تھا جبکہ سکندر نے منع کیا تھا لیکن نہ جانے کیوں یہ بات سب سے چھپا کر وہ خود کو ان سب کے سامنے چور محسوس کر رہی تھی۔ جب ہی کل سے منہ سر لپیٹے پڑی تھی۔ اماں، بھرجائی، امبرین، ناجیہ حتیٰ کہ کاشی اور فانی بھی اسے بلانے کے لئے آئے تھے اس کی طبیعت پوچھی تھی وہ ''ہوں ہاں'' میں جواب دیتی یونہی پڑی رہی تھی۔ اماں کا خیال تھا کہ وہ اپنی ماں کے لئے اداس تھی جو ان کی معلومات کے مطابق ملک سے باہر گئی ہوئی تھیں اور انہوں نے کچھ عرصہ تک واپس آنا تھا۔

''سکندر نے فون کیا تمہیں؟'' بھر جائی نے اس کے چہرے سے تکیہ ہٹایا۔

''جی کیا تھا۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''کیا کہتا ہے؟ کب آئے گا؟''

''یہ تو نہیں بتایا انہوں نے۔''

''اچھا اب فون آئے تو مجھے بتانا میں بات کروں گی اس سے۔'' وہ اس کے بال سہلا کر چلی گئیں، کیونکہ وہ بات کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہی تھی۔

''چاچی! چاچو آنا اے ناں؟'' بھرجائی تو چلی گئیں، لیکن گڈی وہیں کھڑی رہی اور ابھی مکمل طور پہ ٹھیک تو نہیں ہوئی تھی، مگر اپنے گھر میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی تھی اور اس چلنے پھرنے میں بھی کافی احتیاط کی جاتی تھی۔

''گڈی......'' اس نے بے اختیار اٹھ کر گڈی کو بھینچ لیا تھا اور بے اختیار رو پڑی تھی۔

''چاچی رونی اے؟'' (چاچی روتی ہو؟)''

''گڈی دعا کرو تمہارے چاچو جلدی ٹھیک ہو جائیں وہ پہلے جیسے ہو جائیں؟ وہ سسکیوں کے درمیان بولی تھی بانہوں میں گڈی کو دبا رکھا تھا۔

''چاچو بمار اے؟'' (چاچو بیمار ہیں) گڈی کی معصوم آنکھوں میں ایک دم بڑوں کی طرح پریشانی جاگی تھی اور رباب اس کے اتنے متفکر لہجے پہ چونک گئی تھی تب اسے احساس ہوا کہ وہ جذباتی ہو کر کیا بول گئی ہے؟

''نہیں وہ بالکل ٹھیک ہیں، بس گھر نہیں آ رہے ان کے گھر آنے کی دعا کرو اور ویسے بھی تمہیں چاچو کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے کہتے ہیں گڑیوں کی دعائیں جلدی پوری ہوتی ہیں۔'' وہ اس کو پیار کرتے ہوئے سمجھانے لگی اور گڈی اپنے چھوٹے ہاتھ پھیلا کر اپنے چاچو کے لئے دعا مانگنے لگی۔



وہ اس وقت مکمل ہوش میں تھا، لیکن کمرے میں اکیلا ہونے کی وجہ سے چہرے پہ بازو رکھے کسی بے ربط سوچ میں گم تھا، جب دواؤں کے ساتھ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا موبائل گنگنایا اس کی رنگ ٹیون میں چھناکے سے شیشہ ٹوٹنے اور کانچ بکھرنے کی آواز بڑی نمایاں اور بڑی بے دردی سے سنائی دیتی تھی۔ ابھی بھی کوئی شیشہ ٹوٹا تھا اور کانچ دور تک بکھرے تھے۔ اس نے چہرے سے بایاں بازو ہٹا کر موبائل اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا۔

''سکندر۔'' پکار میں اک بے تاب سی لپک تھی بے قراری کے چشمے پھوٹے پڑ رہے تھے۔

''ہیلو سکندر...... میں رباب بات کر رہی ہوں۔'' بے قراری عروج پہ لگتی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟ بہت تحمل آمیز پرسکون لہجے میں پوچھا گیا تھا۔ دوسری طرف سے دو پل کے لئے قرار آ گیا تھا۔

''ہم...... میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟ ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟ ڈسچارج کب کریں گے؟'' اس نے ایک ہی سانس میں تین سوال پوچھ

ڈالے تھے۔

''کل ڈسچارج ہو جاؤں گا ابھی تھوڑی دیر پہلے نرس یہی اطلاع دے کر گئی ہے۔''

''تھینک گاڈ۔'' وہ دل کی گہرائیوں سے بولی تھی۔ سکندر اس کے تھینک گاڈ میں جذب شدت کو محسوس کر کے رہ گیا تھا۔

''گڈی کیسی ہے؟'' سب گھر والوں کو چھوڑ کے اسے صرف اپنی گڈی کا خیال آیا تھا۔

''بالکل ٹھیک ہے آپ کے لئے دعا کر رہی تھی اور آپ کو یاد بھی کر رہی تھی۔'' رباب کا لہجہ مسکان بھرا محسوس ہوا تھا۔

''وہ تو میں جانتا ہوں......''

''گویا میرے بتانے کا کوئی فائدہ نہیں؟''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

''آپ ہمیشہ کہہ کر بھی نہیں کہتے لیکن ہم کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔ پھر بھی آپ جیسے لوگ کچھ بھی نہیں سنتے۔'' وہ بڑے دلبرانہ انداز سے بولی تھی۔

''بیمار کی عیادت اس طرح کی جاتی ہے؟'' اس کے سنجیدہ سے جملے پہ وہ یکدم ہنسی تھی۔

''جیسا بیمار ویسی عیادت۔''

''یہ بھی آپ کی نوازش ہے ملازموں کی عیادت کا بھی خیال رکھتی ہیں۔'' اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے تھے۔

''میں نے کسی ملازم کی عیادت کے لئے فون نہیں کیا بے شک کچھ عرصہ کے لئے ہی سہی ہمارے درمیان کوئی اور رشتہ بھی تو ہے۔''

''حالانکہ وہ رشتہ محض کاغذوں میں بند رہنے کے لئے اس رشتے کو کاغذوں سے باہر نکلنے کی اجازت ہرگز نہیں پھر بھی آپ ایسا کہہ رہی ہیں؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

''یہ اماں سے بات کر لیں۔'' وہ یقیناً کوئی جواب دیتی لیکن اماں جی کے آجانے سے بات ٹال گئی تھی اور سکندر نے اماں جی سے بات کرنے کے بعد بھر جائی وغیرہ کو بھی بُلایا تھا۔ رباب صحن میں جا بیٹھی تھی۔



تحقیق ہو تو روح دو عالم تڑپ اٹھے

اتنا تیرے بغیر پریشاں رہا ہوں میں

وہ کاشی فانی اور گڈی کے ساتھ چھت پہ تھی جب نیچے سے اطلاع پہنچی کہ سکندر بھائی آئے ہیں اور تینوں بچوں نے ایک دم نیچے دوڑ لگا دی تھی، لیکن اس کا دل اتنی تیز دھڑکنوں سے دھڑک رہا تھا کہ وہ اپنے قدم ہی نہ اٹھا سکی تھی۔ قدموں سے پتھر بندھ گئے تھے جانے کیوں اس کو دیکھنے کے لئے اتنا بے تاب ہونے کے بعد بھی دل کترا رہا تھا۔

''رباب نیچے آؤ نا'' بھر جائی نے سیڑھیوں کے قریب آ کر اسے بلایا تھا۔

''آتی ہوں......'' وہ آہستگی سے بولی تھی۔

''شام ہو رہی ہے شام کے وقت ننگے سر نہیں پھرنا چاہئے شاباش نیچے چلو'' وہ خود اوپر آ کر اس کا ہاتھ تھام چکی تھیں، مجبوراً اسے آنا پڑا سکندر تب تک کمرے میں جا چکا تھا۔

''جاؤ اس کے کپڑے نکال دو'' انہوں نے بہانے سے اسے اندر دھکیلا وہ دروازے کی طرف مڑتے سکندر کے بازو سے جا ٹکرائی تھی اور وہ درد کی لہر کو بڑی مشکل سے ضبط کر پایا تھا۔

''اُف!''

''ایم سوری وہ......وہ بھر جائی نے'' رباب یکدم گھبرا گئی تھی اور اپنے ہاتھ فوراً اس کے بازو سے ہٹا لئے تھے وہ جواباً کچھ بھی نہ بولا لیکن رباب چپ نہ رہ سکی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟''

''دیکھ لیں کیسا ہوں'' وہ بائیں ہاتھ سے بٹن کھولنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بٹن ہر بار ہاتھ سے نکل جاتا تھا شاید بٹنوں کے کاج چھوٹے تھے اس لئے۔

''لائیے میں کھول دیتی ہوں'' وہ ایک قدم آگے آئی۔

''نہیں میں کرلوں گا'' اس نے فوراً انکار کیا۔

لیکن مسلسل دس منٹ کی کوشش سے صرف ایک بٹن کھول پایا تھا۔ وہ بھی دائیں ہاتھ کی مدد سے جس کی وجہ سے شدید درد بھی ہوا تھا، ابھی کل ہی ٹانکے کھولے گئے تھے اور بازو میں ابھی سوجن بھی کافی تھی۔ مجبوراً رباب اس کے انکار کو پس پشت ڈالتی ہوئی خود ہی آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا چکی تھی اس دفعہ وہ انکار نہیں کر پایا تھا۔ وہ اس کے عین سامنے کھڑی کسی تابعدار اور سعادت مند بیوی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس کے گریبان کے بٹن کالر تک کھول دیئے تھے اس کا مضبوط سینہ رباب کے سامنے جیسے اپنی کشادگی ظاہر کر رہا تھا۔ وہ نظر چراتی اس کی آستین کے بٹن کھولنے لگی وہ پنج گانہ نماز کا عادی تھا۔ اکثر اس کی آستینیں فولڈ نظر آتی تھیں چاہے شرٹ ہوتی چاہے قمیص وہ جیسے ہمہ وقت وضو کے لئے تیار رہتا تھا۔

پھر رباب نے اسے قمیص بدلنے میں بھی مدد دی تھی اور دونوں نے یہ مدد لینے اور دینے کا کام کافی خامشی اور بے نیازی سے کیا تھا۔

''جب تک آپ کا بازو ٹھیک نہیں ہو جاتا آپ پلنگ پہ سو جایا کریں میں نیچے سو جایا کروں گی'' رات کے کھانا کھائے بغیر ہی وہ کمرے میں آ گیا تو وہ بھی پیچھے چلی آئی تھی۔

''نہیں میں نیچے آسانی سے سو جاؤں گا میں عادی ہوں نیچے سونے کا، لیکن آپ کو دقت ہوگی۔''

وہ اس کی آفر ایک بار پھر مسترد کر چکا تھا اور اس دفعہ رباب اسے زیادہ اصرار نہیں کر سکی تھی وہ اس کا بستر بچھا کے پیچھے ہٹ گئی تھی۔ سردی

کافی سے بھی زیادہ ہو چکی تھی۔ اب تو فرش بھی جیسے برف اگل رہا ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ خود ہی اتنا ''انا پسند'' بن رہا تھا تو وہ کیوں اس کے سامنے بچھی جاتی وہ بھی کروٹ بدل کر لیٹ گئی تھی......

لیکن محبت کرنے والوں کا دل اگر اسی طرح ''کروٹ بدل لینے سے'' مطمئن ہو جاتا تو آج تاریخ میں کسی عاشق اور محبوب کا قصہ درج نہ ہوتا ہر کوئی اپنے مسئلے کا حل اک کروٹ میں ڈھونڈ لیتا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب وہ آہٹ کی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔

''کچھ چاہئے آپ کو؟'' وہ اس کو دروازہ کھولتے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

''کچن سے کھانا لینا ہے بھوک لگ رہی ہے آج میڈیسن نہیں لی شاید اسی لئے درد ہو رہا ہے۔'' اس کی بات کے جواب میں رباب نے اس کے بازو کو دیکھا جہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''یہاں تو خون بہہ رہا ہے۔'' سفید پٹی خون سے سرخ ہو چکی تھی۔

''آپ بیٹھئے میں لے کر آتی ہوں۔'' وہ کہہ کے خود باورچی خانے میں آ گئی تھی۔ اس کے لئے بمشکل کھانا نکالا پھر گرم کیا اور کمرے میں لے آئی۔ وہ کرسی پہ بیٹھا تھا اس نے کھانا میز پہ لگاتے ہوئے دوسری کرسی بھی کھینچ لی اور نوالہ لے کر اس کی سمت بڑھایا وہ چونک گیا تھا۔

''کھانا ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھایا جاتا ہے اور پانی بھی دائیں ہاتھ سے پیا جاتا ہے جبکہ آپ کا بازو درد کر رہا ہے ہاتھ میں سوجن بھی ہے اور بائیں ہاتھ سے کھانا بھی منع ہے۔''

اس نے اس نوالے کے لئے دلیل دی جواز پیش کیا تب وہ کھانے پہ آمادہ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ پانی کا گلاس بھی اسی نے ہونٹوں سے لگایا تھا بالکل اسی طرح جیسے کچھ عرصے پہلے ریسٹورنٹ کے باہر سیڑھیوں پہ وہ اسے پانی پلا رہا تھا۔ فرق بس اتنا تھا کہ وہ کوفت میں مبتلا تھا اور وہ الفت میں مبتلا تھی کھانا کھانے کے بعد اس کی بینڈیج کی اور خاموشی سے اس کے چھوڑے ہوئے بستر پہ نیچے فرش پہ لیٹ گئی اور وہ دیکھتا رہ گیا۔ ایک انتہائی امیر کبیر اور ہٹ دھرم لڑکی کا ایسا روپ بالکل غیر متوقع تھا اس کے انداز چونکا رہے تھے۔



میڈم کشور جہانیاں کا پہلا ریسٹورنٹ انچارج حامد انصاری واپس آ چکا تھا اور سکندر کی جاب کا مقررہ وقت ختم ہو چکا تھا، جس پر وہ ازحد پریشان تھا، آج کل تو اسے فلیٹ کی طرف سے بھی مسئلہ درپیش تھا وہ لوگ ایک فلیٹ میں چھ لڑکے رہ رہے تھے۔ پہلے وہ ہوتا تھا پھر دو لڑکے اور تھے وہ بھی اپنی تعلیم کے سلسلے میں رہ رہے تھے۔ اب ایک لڑکا اور تھا جو فلیٹ چھوڑ کر جا رہا تھا اور سکندر اکیلا اتنا کرایہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف جاب کا مسئلہ دوبارہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن میڈم کشور جہانیاں بے وقوف نہیں تھیں کہ اپنا اتنا وفادار اور قابل بھروسہ آدمی ہاتھ سے جانے دیتیں۔ انہوں نے سکندر کے سامنے رہائش کے لئے اپنے گھر کی ڈیکوریٹڈ انیکسی اور آفس میں اپنے ''پی اے'' کی جاب رکھ دی تھی وہ کتنی ہی دیر سوچتا رہ گیا تھا۔

''اس جاب کی مدت کیا ہوگی؟'' انداز کھوکھلا سا تھا۔

''کارکردگی اچھی ہو گی تو لائف ٹائم۔'' وہ ہلکے سے مسکرائیں۔

ایک دفعہ تو اس کا جی چاہا میڈم جہانیاں کی اس عنایت کو ٹھوکر مار کر چلا جائے لیکن وہ ہر بار میڈم کے سامنے مجبوری کی حالت میں بیٹھا ہوتا تھا، آج بھی اسے مجبوری ہی تھی، کیونکہ گھر میں ناجیہ اور امبرین کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اگلے ماہ بارات تھی اور ایسے میں وہ یہ جاب ٹھکرا نہیں سکتا تھا۔ اس نے میڈم کی یہ جاب بھی قبول کر لی تھی، البتہ انیکسی کے لئے رضامند ہوا بھی تو ہر ماہ کرایہ ادا کرنے کی شرط پر وہ نوکری کے علاوہ اضافی نوازشیں نہیں لے سکتا تھا۔

''اچھا سنو ویک اینڈ پہ گاؤں جانا ہو تو مجھے بتا کر جانا رباب نے کچھ چیزیں منگوائی ہیں وہ بھجوانی ہیں۔'' انہوں نے اس کو اٹھتے دیکھ کر کہا وہ سر ہلا کر باہر نکل آیا تھا۔

''اس کو کسی چیز کی ضرورت تھی تو وہ مجھ سے بھی تو کہہ سکتی تھی۔ اپنی ماں سے کہنا ضروری تھا؟'' وہ اندر ہی اندر مزید بے زار ہوا۔

''اگر اس نے ماں کو کہہ دیا ہے تو اچھا کیا ہے تم پہلے اس کے لئے کیا لے کر جاتے ہو؟ ہمیشہ خالی ہاتھ ہی گئے ہو۔'' دل بیٹھے بیٹھے اس کا طرف دار ہو گیا اور سکندر اپنی غفلت پہ حقیقتاً نادم ہوا تھا۔

''لیکن کیا میری پسند کی ہوئی چیزیں وہ پسند کرے گی۔''

''ارے تمہاری پسند ہی تو چاہتی ہے وہ۔'' دل چہکا تھا۔

''ہونہہ خوش فہمی۔'' اس نے دل کو جھڑک دیا تھا۔

لیکن نہ چاہنے کے باوجود بھی وہ اس کے لئے شاپنگ کر لایا تھا اور جو چیزیں میڈم جہانیاں نے بھجوائی تھیں وہ جان بوجھ کر اپنی انیکسی میں چھوڑ گیا تھا شاید وہ اپنی چیزوں کا اور ان کی چیزوں کا مقابلہ نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ تو بغیر مقابلے کے ہی جیتا ہوا تھا، کیونکہ رباب اپنے لئے اس کی لائی ہوئی شاپنگ دیکھ کر ہی سرشار ہو اٹھی تھی۔

''تھینک یو سو مچ۔'' وہ جھوم کر بولی۔

''کس لئے؟'' وہ اس کے چہرے کے رنگوں سے نظر چرا گیا۔

''میرے پاس سچ مچ نئے کپڑے نہیں تھے گرمی شروع ہو چکی ہے۔ جینز شرٹ پہننا مشکل ہو گیا ہے۔''

''اور جو اماں نے بنوا کر دیئے ہیں؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''وہ تو ہیں لیکن یہ تو آپ اپنے ہاتھوں سے لے کر......'' اپنی بے اختیاری میں کہتے کہتے وہ یکدم خاموش ہو گئی تھی نہ جانے کیوں سکندر کو لگا ساری قیمت اک ادھورے جملے سے وصول ہو گئی ہو۔

وہ پلنگ پہ لیٹا پلکیں موند گیا شاید مزید اس کے چہرے کے جوش کو دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

''چاچو۔'' گڈی بھاگتی ہوئی آ کر پلنگ پر چڑھ گئی تھی۔

''میری گڈی آئی اے؟'' اس نے آتے ہی سکندر کے چہرے کو اپنے چھوٹے سے ہاتھ سے تھپکا تھا۔

''چاچو آنکھیں کھولو، میری گڈی آئی اے؟'' وہ اس کی آنکھیں نہ کھلنے پہ پریشان ہو کر زور سے بولی تھی۔

''چاچی۔'' اس نے پلٹ کر چیزیں سمیٹتی رباب کو پکارا تھا۔ وہ بھی قریب جھک آئی۔

''سکندر۔''

''چاچو...... دونوں نے بیک وقت پورا تھا اور سکندر نہ جانے کونسی دھن میں تھا۔ پہلے بند آنکھوں کے ساتھ ہی گڈی کا ہاتھ چوم لیا۔ پھر اسی طرح اس کا ہاتھ تھام کر اس کی ہتھیلی پہ اپنے ہونٹ رکھ دیئے رباب کا ہاتھ ہی نہیں روح بھی جل اٹھی تھی۔ اس کے دہکتے ہونٹوں کی نرمی اور گھنی مونچھوں کی ہلکی سی چبھن اس کی ہتھیلی کے وسط میں چاند سورج کا سا احساس ٹکا گئی تھی اور گڈی ان کے حساسات سے بے خبر خفگی اور تفکر کا اظہار کیے جا رہی تھی۔ ''کیا ہوا چاچو نیند آنی اے؟'' وہ سکندر کے سینے پہ بیٹھی ہوئی تھی۔

''تم آ جاؤ تم نیند کہاں آنی اے؟'' وہ جان بوجھ کر اسے دلچسپی سے چھیڑ رہا تھا۔ ''میری گڈی آنی اے؟ اپنی چاچی سے پوچھو گڈی آنی اے یا میں آنی اے؟''

اس نے کن انکھیوں سے رباب کو دیکھا اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

''چاچی میری گڈی آنی اے؟''

''ہوں ہاں؟'' وہ یکدم چونکی حواس اڑے ہوئے تھے سکندر بے ساختہ مسکرایا تھا۔ اتنی ماڈرن اور پراعتماد لڑکی ذرا سے لمس پہ اپنی بولتی گنوا بیٹھی تھی۔

''چاچی میری گڈی دو۔'' وہ اس کے سینے پہ بیٹھی، فرمائش رباب سے کر رہی تھی لیکن ''چاچی جی'' کے چھکے چھوٹے ہوئے تھے۔ وہ کچھ بھی سنے بغیر باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے وہ زور سے ہنسا تھا۔



''وہ میں بیوٹی پارلر جانا چاہتی ہوں۔'' وہ چھت پہ تھا جب وہ اس کے پیچھے آ گئی تھی۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہو کر پلٹا تھا۔

''عورتیں بیوٹی پارلر کیوں جاتی ہیں؟''

''میک اپ کروانے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''نہیں! میک اپ تو عورتوں کا فائنل ٹچ ہوتا ہے جبکہ میک اپ سے پہلے بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی۔

''لیکن آپ کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے آپ تو......'' وہ اس کو سرتاپا ایک گہری بھرپور نظر سے دیکھ کر بے ساختہ بولا اور پھر بے ساختہ ہی نظر جھکا کر چپ ہو گیا۔ وہ اس کے سامنے جدید تراش خراش کے لباس میں بغیر دوپٹے کے خاصی لاپرواہی کھڑی تھی اس کے وجود کی خوبصورتیاں دل کی دھڑکنوں کو کنپٹیوں میں دھڑکنے پر مجبور کر گئی تھیں وہ نظر نہ جھکاتا تو کیا کرتا؟

''کب چلیں گے میرے ساتھ؟''

''کتنا ٹائم لگے گا؟''وہ گھڑی دیکھ کر بولا

''مجھے بس کٹنگ اور پلکنگ کروانی ہے۔''وہ یوں بولی جیسے وہ پلکنگ وغیرہ کا مطلب سمجھتا ہو اور وہ سر ہلا کر سمجھ نہ آنے کے باوجود اس کے ساتھ نیچے آ گیا تھا۔

''جانا کہاں ہے؟''

''وہ بھرجائی بتا رہی تھیں کہ قریبی قصبہ میں ایک بیوٹی پارلر ہے گاؤں کی لڑکیاں شادی بیاہ پہ وہیں جاتی ہیں......''

''او کے آپ چادر لے کر آجائیں۔''وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر والٹ چیک کرنے لگا۔

''چادر؟''

''جی چادر آپ شاید بھول رہی ہیں آپ کے انکل محترم اور کزن محترم آپ کے لئے ہر جگہ دیوانوں کی طرح مارے مارے پھر رہے ہیں جو اپنی بہن پہ گولیاں چلا سکتے ہیں بھانجی پہ چلانا ان کے لئے مشکل نہیں ہوگا۔''وہ چادر لینے کی وضاحت دے رہا تھا۔رباب کو بھی سمجھ آ گیا تھا،اسی لئے چادر اوڑھ آئی تھی۔

''چاچو ہم بھی آجائیں؟''فانی مچل اٹھا۔

''آجاؤ۔''اس کی اجازت پہ وہ تینوں اچھلتے کودتے گاڑی میں آ بیٹھے تھے اگرچہ بھرجائی نے اختلاف بھی کیا مگر رباب بھی ان کے آجانے سے خوش تھی۔



''آپا رقیہ دے سکندر دی وہٹی کڈی سوہنی اے۔''

(آپا رقیہ کے سکندر کی دلہن کتنی خوبصورت ہے؟)ایک عورت نے ڈھولک بجاتے ہوئے دوسری کو دیکھنے کا اشارہ کیا تھا رباب سکندر کا لایا ہوا سرخ کاٹن کا نفیس کامدار سوٹ پہنے ہوئے تھی اس کی دودھیا رنگت پہ سرخ رنگ کی چھب اپنے عروج پہ تھی۔امبرین اور ناجیہ خود دلہنیں ہونے کے باوجود اسے چھیڑ رہی تھیں۔

''اری آپا رقیہ دا سکندر اوی تے بڑا سوہنا اے۔''ایک اور خاتون نے مداخلت کی۔

''اے ماسی میرے دیور تے دیورانی دی جوڑی رج کے سوہنی اے،دعا کرو بس میری دیورانی دی جھولی بھر جائے۔''ان عورتوں کی باتیں سنتی بھرجائی نے مسکرا کر رباب کو قریب کھینچا اور اس کا سر تھپکا۔رباب ان کی پنجابی کے اکثر فقرے بخوبی سمجھنے لگی تھی۔اس وقت بھی چہرہ سوٹ کے ہم رنگ ہو گیا تھا۔

''بھرجائی یہ لیں مٹھائی آگئی ہے۔''سکندر مٹھائی کی ٹوکریاں اٹھائے اندر آیا۔

''جیتے رہو،اللہ کرے ایسی ہی مٹھائی بہت جلد تم اپنے ابا بننے کی خوشی میں لے کر آؤ۔''انہوں نے اب اچانک سکندر پہ وار کرتے ہوئے

دونوں کو بوکھلا دیا تھا۔ وہ سرخ سوٹ میں ملبوس رباب کو دیکھ کر مبہوت سا ہو گیا تھا۔

''بیٹا تمہاری ہی ہے رات کو جی بھر کے دیکھ لینا۔'' سکندر کو خالہ نے دھپ رسید کی۔

''میری؟'' وہ دل میں استہزائیہ ہنسا تھا۔

''وہ میڈم کشور جہانیاں کی بیٹی ہے اور بس۔'' اپنی سوچ سختی سے جھٹک کر چلا گیا تھا۔ آج محلے والی..... اور کچھ جاننے والی عورتوں کو ڈھولک کا ''صدہ'' (بلاوا) تھا اور کافی زیادہ عورتیں جمع ہو گئی تھیں۔ صحن بھرا پڑا تھا۔ ماہیے اور ٹپے گائے جا رہے تھے۔ بیٹیوں کی رخصتی کے دکھی غمگین راگ الاپ رہے تھے۔ اور واپسی پہ ان عورتوں کو مٹھائی اور بتاشے دے کر رخصت کیا جا رہا تھا جوان کی بیٹیوں کو سکھی اور آباد رہنے کی دعائیں دے کر جا رہی تھیں۔

''آپ نے چائے منگوائی تھی۔'' وہ گرمی کی وجہ سے چھت پہ لیٹا تھا، لیکن سر درد نے سکون نہ لینے دیا تو کاشی کے ہاتھ چائے کا پیغام بھجوا دیا نیچے عورتوں اور ان کے بچوں نے ''ارلی'' مچا رکھی تھی۔ ایک شور ہنگامہ برپا تھا۔ عورتوں کے ٹھٹھے بھی جاری تھے لیکن وہ ان کو خاموش نہیں کروا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی بہنوں کی خوشیاں تھیں، وہ کیوں ڈانٹتا؟ رباب پیغام ملتے ہی چائے لے آئی تھی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''سر درد کر رہا ہے۔'' وہ اپنی کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

''سر دبا دوں۔''

''ہوں۔'' درد کی شدت نے اس کو انکار نہیں کرنے دیا تھا۔ چائے کا کپ ختم کر کے دوبارہ لیٹا تو رباب اس کے سرہانے بیٹھ گئی پہلے تو وہ کافی جھجک کر اس کی پیشانی کو دباتی رہی، لیکن جب سکندر کو سکون نہ ملا تو سر اس کی گود میں رکھ دیا تھا وہ تو جیسے ''مر گئی تھی''۔

''پلیز زور سے دباؤ۔'' وہ اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کے زور سے دباتے ہوئے بولا۔ اس کے ہاتھ جیسے بے جان سے ہو چکے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ کہہ رہا تھا تو اسے دبانا ہی تھا نیچے اتنا شور ہنگامہ ہونے کے باوجود ان کے اردگرد کا ماحول نجانے کیوں کیف آور ہو گیا تھا۔ عورتوں کی بھونڈی آوازیں بھی سریلی لگنے لگی تھیں۔

اس کی کنپٹیوں کو سکون ملا تو اس نے چہرہ اس کی گود میں ہی چھپا لیا تھا اس کے اعصاب پہ نیند طاری ہو چکی تھی۔ شاید اس لئے کہ مخروطی ریشمی انگلیاں اس کے بالوں میں سرک رہی تھیں۔ پھر نہ جانے کتنے فسوں خیز پل یونہی آگے سرکتے گئے۔ ان دونوں کے درمیان کی سحر انگیز خاموشی ذرا بھی نہ ٹوٹی رباب کا ایک ہاتھ سکندر کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا اس کے بالوں میں چل رہا تھا۔ دونوں چند لمحات کے لئے حقیقت سے دور نکل آئے تھے۔

جب تک وہ گہری نیند نہیں سویا وہ اسی طرح بیٹھی اس کے بال سہلاتی رہی اور وہ اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں اس کی نازک انگلیاں الجھائے لیٹا رہا تھا، بہت دیر بعد رات گئے سکندر نے کروٹ بدلی تو سر گود سے اٹھا کر تکیے پہ رکھ لیا تھا۔ تب تک وہ بیٹھے بیٹھے اکڑ گئی تھی۔ ایک ہی انداز میں بیٹھنے سے جسم میں درد ہو رہا تھا۔ لیکن یہ سکون ہی کافی تھا کہ اس کا محبوب ''سکھ کی نیند'' سویا ہے اور وہ اس کے لئے سکون کا باعث بنی ہے۔



شادیوں کا ہنگامہ بخیر خوبی انجام پا گیا تھا اماں جہاں بہت خوش تھیں وہاں اداس بھی تھیں دو بیٹیوں کی رخصتی سے گھر خالی خالی سا ہو گیا تھا اور یہ خالی پن رباب کو بھی اچھا خاصا محسوس ہو رہا تھا سکندر بھی شہر واپس جا چکا تھا۔ کاشی اور فانی سکول چلے جاتے تھے۔ ماں کسی کام سے گھر سے باہر نکلتیں تو رباب اور بھر جائی اکیلی رہ جاتی تھیں، ایسے میں بھر جائی اسے سکندر کی باتیں بتاتیں اور اکثر کسی نہ کسی حوالے سے چھیڑتی رہتی تھیں، کبھی کبھار کسی کا فون آ جاتا تو ''اپر کلاس'' کے حالات بھی معلوم ہو جاتے تھے۔ ذاکر حمید امریکہ گئے ہوئے تھے اور سنی کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا کیونکہ میڈم جہانیاں پہ فائرنگ کے کیس کی ابھی تک انوسٹی گیشن ہو رہی تھی اور وہ لوگ اپنے آپ کو چھپاتے پھر رہے تھے۔ ان کی کوٹھی پہ تالا پڑا ہوا تھا۔

دوسری طرف سکندر ہمیشہ کی طرح اپنی جاب کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھا رہا تھا میڈم جہانیاں کافی حد تک کام سے آزاد پھر رہی تھیں، حال ہی میں اس کی ذمہ داری پہ وہ ایک ہفتہ دبئی گزار کے آئی تھیں لیکن آتے ہی ان کو گہرا دھچکا لگا کسی نے ان کے ریسٹورنٹ میں آگ لگا دی تھی اور ڈیوٹی آورز حامد انصاری کے تھے۔ انہوں نے حامد انصاری کو دھر لیا تھا۔ پولیس تفتیش کے دوران اس نے اقبال جرم کر لیا تھا۔ یہ کام اس نے ذاکر حمید اور سنی سے روپیہ کھانے کے بعد کیا تھا اور تب ایئر پورٹ سے فرار ہوتے دونوں باپ بیٹا گرفتار ہو گئے تھے وہ خبر جو میڈم جہانیاں نے ہر طرح سے چھپانے کی کوشش کی تھی اگلے دن اخبار کی زینت بنی ہوئی تھی۔

''میڈم کشور جہانیاں کا بھائی اور بھتیجا رباب ریسٹورنٹ کو جلانے اور فائرنگ کے الزام میں گرفتار۔''

ایک بار پھر میڈم جہانیاں کے لئے سوالات کا سمندر اُمڈ آیا تھا لوگوں میں چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں ہر کسی نے اس مسئلے کو اپنے رنگ میں بیان کیا تھا کوئی ان کی پراپرٹی کو وجہ بیان کر رہا تھا کوئی ان کی بیٹی کو، کوئی ذاکر حمید کو غلط کہہ رہا تھا تو کوئی کشور جہانیاں کو، ہر طرف دو دھاری زبانوں کا ستعمال ہو رہا تھا کسی کے پاس ایک زبان اور ایک سچ نہیں تھا ہر ایک کے پاس ''نمبر دو'' چل رہا تھا لیکن ان دو زبانوں والے لوگوں میں سکندر رحمٰن ایسے آدمی کو دیکھ کر وہ اکثر سوچ میں مبتلا ہو جاتی تھیں کہ جو وہ کہتا ہے اسی پہ قائم رہتا ہے۔ کام میں ایمانداری، گھریلو معاملات میں ذمہ داری اور اپنے جذبات میں اختیاری عمل اسے بہت ممتاز بنا چکے تھے۔

میڈم جہانیاں اس وقت اگر کسی آدمی کی اور ایمان داری پہ یقین رکھتی تھیں تو وہ سکندر رحمٰن تھا۔ آج اگر انہیں اپنا سب کچھ اس کے بھروسے پہ اس کے حوالے کرنا پڑتا تو کر دیتیں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حامد انصاری کی طرح حرام خور نہیں ہے اور اپنے رشتوں کے ساتھ اس حد تک سچا مخلص اور چاہنے والا ہے کہ اپنی چھوٹی سی بھتیجی کے لئے اپنی زندگی کا اتنا بڑا اور اہم فیصلہ بھی منٹوں میں کر سکتا ہے اور جب سکندر کی اپنوں کے لئے اس قدر محبت اور والہانہ پن دیکھتیں تو انہیں اپنا ماں جایا یاد آ جاتا تھا۔ جو ان کے لئے کسی سانپ یا بچھو سے کم ثابت نہیں ہوا تھا جو اپنی بہن اور بھانجی کو نگل لینا چاہتا تھا، دولت کی ہوس میں اندھا ہو کر جیل کی سلاخوں میں قید ہو چکا تھا۔

''میڈم آپ نے بلایا؟'' وہ گلاس ڈور کھول کر اندر داخل ہوا تھا وہ یکدم گہری سوچوں سے چونکی تھیں۔ ''ہوں! بیٹھو۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

''گاؤں کب جا رہے ہو؟'' اس دفعہ وہ چونکا تھا اور سوال میں پوشیدہ مفہوم دل پہ تیر چھوڑ گیا تھا۔ دل کی شریانیں یکدم سکڑ کر دوبارہ پھیلی تھیں۔

''خیریت؟''

''ہاں بالکل خیریت ہے میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ تمہیں بتادوں تم اب رباب کی ذمہ داری سے آزاد ہو چکے ہو، اب گاؤں سے واپسی پہ اسے بھی ساتھ لے آنا جو زیادہ خطرہ تھا وہ ٹل چکا ہے۔ اب اگر ان لوگوں نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو اپنی سزا میں ہی اضافہ کریں گے۔'' انہوں نے وہی بات کہی جس کے خیال سے اس کے دل کی شریانیں سکڑ گئی تھیں۔

''او کے لے آؤں گا۔'' وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''تم چپ چپ سے ہو کوئی پریشانی ہے تو کہو وہ بھی حل ہو جائے گی؟''

اس کا جی چاہا میڈم سے کہہ دے کہ اپنی وہ چیز میرے پاس ہی رہنے دیں، جس کو آپ واپس لینا چاہتی ہیں۔

''سوچ میں پڑ گئے ہو؟''

''نہیں ایسی کوئی پریشانی نہیں۔'' وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا اور میڈم ریلیکس ہو گئی تھیں۔



''چاچو آئے...... چاچو آئے......'' گاڑی کا ہارن سنتے ہی تینوں بہن بھائی کونے کھدروں سے نکل کر گنگنانے کے سے انداز میں چہکتے دروازے کی سمت لپکے تھے اور وہ جو ابھی ابھی نہا کر غسل خانے سے نکلی تھی تولیے سے اپنے بال خشک کرنا بھول گئی تھی اس کی آنکھیں بھی چوکھٹ پہ جا کر بچھ گئی تھیں اور وہ اس چوکھٹ سے اندر آ گیا تھا۔

''کیسی ہو میری جان؟'' کاشی اور فانی کو پیار کرنے کے بعد اس نے جھک کر گڈی کو بانہوں میں اٹھا لیا تھا۔ گڈی کی صحت پہلے سے اچھی ہو چکی تھی۔

''السلام علیکم۔'' قریب آنے پر صحن میں کھڑی رباب کو سلام کر کے وہ برآمدے میں آ گیا جہاں اماں جائے نماز پہ بیٹھی تسبیح کا ورد کر رہی تھیں۔ رباب ٹھٹکی تھی نہ حال نہ احوال اتنی بیگانگی؟ جب کہ بچوں سے اماں سے اور بھر جائی سے اپنے سابقہ محبت اور اپنائیت بھرے انداز میں ہی مل رہا تھا۔

''اب تو جلدی جلدی چکر لگانے لگے ہو؟ اتنی بے قراری کیوں میری جان؟'' بھر جائی نے دونوں کو دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے کہا تھا۔

''ایک کام سے آیا تھا۔'' وہ گڈی کو نیچے اتار کر اماں جی کے تخت سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''جانتی ہوں تمہارے کاموں کو۔''

''بھر جائی میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے روکھے پن سے بولا تو بھر جائی نے بھی چونک کر دیکھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ بے مروتی سے کہہ کر اندر کمرے میں چلا گیا، گرمی زیادہ ہو رہی تھی، اس لئے نہانا چاہتا تھا، نہا کر نکلا تو وہ اس کے لئے ٹھنڈا مشروب تیار کئے بیٹھی تھی۔

''اندر آ سکتا ہوں۔'' باہر دروازے پہ دستک ہوئی تھی اور ساتھ ہی عارف کی آواز سنائی دی تھی......

''آؤ یار آج یہ عنایت کیسے؟'' سکندر اس سے گلے ملتے ہوئے بولا تھا، کیونکہ عارف اور سکندر کی ایک دوسرے کے گھروں تک آمد و رفت صرف بیٹھک تک ہوتی تھی گھر کی خواتین کی وجہ سے احتیاط برتتے تھے۔ جس کو عزت و احترام کا نام بھی دیا جا سکتا تھا۔

''میں آج اپنی بھابی دیکھنے اور ان سے ملنے آیا ہوں پچھلی دفعہ گاؤں آیا تو تم گھر پہ نہیں تھے اس لئے دروازے سے ہی لوٹ گیا مجھے ابھی نجف سے اطلاع ملی ہے کہ تم آ چکے ہو۔'' عارف نے تفصیلاً جواب دیا تھا۔

''تمہارا اپنا گھر ہے آنے کے لئے اجازت کی کیا ضرورت ہے؟'' سکندر اسے لے کر صحن کے وسط میں آ گیا تھا۔ اور اماں بھر جائی صحن میں ہی بیٹھی تھیں۔

''السلام علیکم خالہ، سلام بھرجائی۔'' وہ باری باری دونوں کے سامنے جھکا دونوں کے کندھے پہ شفقت سے ہاتھ رکھا تھا، سکندر نے دوسری چارپائی قریب کھینچ کر اسے بیٹھنے کا کہا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔

''سلام چاچو۔'' کاشی نے عارف کو سلام کیا تھا اور عارف ان کی ایسی تمیز داری پہ ہنس دیا وہ بھی ان کی شرارتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ تھوڑی دیر ان لوگوں کے درمیان باتیں ہوتی رہیں سکندر کا خیال تھا کہ وہ خود ہی کمرے سے باہر نکل آئے گی مگر جب وہ نہ آئی تو مجبوراً اندر آنا پڑا تھا۔

''آپ تھوڑی دیر کے لئے باہر آ سکتی ہیں؟'' اس نے تکیہ چہرے پہ رکھ کے لیٹی رباب کو بمشکل متوجہ کیا تھا ورنہ تو اس کا نام لینا بھی یا پھر بات کرنا بھی عذاب لگ رہا تھا۔ وہ ہنوز لیٹی رہی تھی۔

''میں آپ سے مخاطب ہوں۔ کیا آپ تھوڑی دیر کے لئے باہر آنے کی زحمت کر سکتی ہیں؟'' وہ تکیہ اس کے چہرے سے ہٹا کر بولا تھا۔ رباب نے اسے کچھ خفا خفا اور کچھ استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''میرا بہت قریبی دوست آیا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' اس نے رخ پھیرتے ہوئے جواب دیا نہ جانے کیوں اس کا رویہ رباب کو بہت سرد لگ رہا تھا۔ حالانکہ وہ تو اس کی طرف سے بے قراریوں اور چاہت کی منتظر تھی۔ اسے احساس ہوتا تھا کہ وہ بھی اس کے لئے کچھ خاص ''فیلنگز'' محسوس کرنے لگا ہے اب وہ ہر قدم اسی کی طرف بڑھائے گا لیکن یہاں تو سب کچھ الٹ نظر آ رہا تھا۔

''آ رہی ہوں۔'' وہ اسے کھڑے دیکھ کر بالآخر اٹھ بیٹھی تھی۔ کپڑوں کی شکنیں ہاتھوں سے درست کرتی اس کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ عارف اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

''السلام علیکم بھابی۔'' عارف کو پتہ تو تھا کہ وہ میڈم کشور جہانیاں کی اکلوتی اولاد اور وارث ہے لیکن وہ اتنی خوبصورت بھی ہوگی یہ نہیں سوچا تھا اور اب جب دیکھ لیا تھا تو ''سکندر کی قسمت'' کو سراہا تھا جاتے جاتے وہ رباب کو ''سلامی'' میں دو ہزار روپے بھی دے گیا تھا اور وہ دیکھتی رہ گئی تھی۔ سکندر رحمٰن سے منسوب ہر رشتے نے اسے عزت، احترام، محبت، اپنائیت اور خلوص دیا تھا۔ بے لوث چاہتیں دی تھیں، لیکن خود سکندر رحمٰن نے بے نیازی اور فاصلوں کے سوا کچھ نہیں دیا تھا۔ آج نہ جانے کیوں اسے رونا آ رہا تھا اور وہ شام کو خوامخواہ ہی سکندر سے اُلجھ پڑی تھی۔

''میرا خیال ہے اس گھر کے افراد کے علاوہ کسی اور فرد کا خیال کرنا احساس کرنا آپ کو ہرگز نہیں آتا۔ شاید آپ کے گھر والوں کے علاوہ باقی سب انسان نہیں جانور ہیں جن کے دکھ، درد، تنہائی اور خواہشوں کا خیال آپ کے دل میں دور دور تک نہیں ہے۔''

وہ قمیص اتار کر سونے کا عادی تھا، ابھی بھی قمیص اتار کر لٹکا رہا تھا جب اس کی بات پہ ٹھٹک گیا تھا۔

''دکھ، درد، تنہائی اور خواہشوں کا احساس کرنے والوں کو دنیا جینے نہیں دیتی اپنی تیز ٹاپوں تلے روند جاتی ہے...... انسان اکیلا رہ جاتا ہے۔''

''اکیلے تو آپ اب بھی ہیں۔''

''نہیں میرے بچے (بھتیجے، بھتیجی) میری بھرجائی، میری ماں ہیں نا میرے پاس، میں کیوں اکیلا ہوں بھلا؟''

لہجے میں اطمینان تھا، لیکن نظریں کچھ اور کہہ رہی تھیں، جن میں ہلکا سا اضطراب تھا۔

''گویا آپ کی زندگی مکمل ہے؟'' وہ طنزیہ بولی تھی۔

''بالکل۔''

''بیوی بچوں کی کوئی آرزو نہیں ہے؟''

''ہونہہ، پہلے کونسی آرزوئیں پوری ہوئی ہیں جو اس آرزو پہ جیا جائے؟'' وہ پنکھے کی سپیڈ تیز کرتے ہوئے فرش پہ بچھے بستر پہ آگیا تھا۔

''فرشتہ بننا چاہ رہے ہیں؟'' وہ آج چوٹ پہ چوٹ کر رہی تھی۔

''ہرگز نہیں! میں ایک اچھا انسان بن جاؤ یہی کافی ہے فرشتے کی بانسبت ''انسان'' بننا زیادہ مشکل امر ہے......''

''شاید آپ کو معلوم نہیں کہ انسانوں کے سینے میں ''دل'' بھی ہوتا ہے۔'' وہ دل پہ زور دے کر بولی تھی۔

''اور ان دلوں پہ بوجھ بھی ہوتے ہیں۔'' وہ کہہ کر کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

''لگتا ہے سبھی بوجھ آپ پہ ہی ہیں؟'' وہ بری طرح چڑی بیٹھی تھی۔

''میم! خادم کو سونے دیجئے۔'' وہ جس انداز سے بولا رباب کا جی چاہا ایک دم اٹھ کر اسے نوچ کھسوٹ ڈالے آخر وہ اتنا لاتعلق کیوں تھا اس سے؟

❁......❁......❁

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' سکندر نے اگلے روز اسے شہر جانے کے لئے کہا تو وہ یکدم منجمد سی ہوگئی تھی۔

''آپ کی مام آج شام آپ کا انتظار اپنے گھر پہ کر رہی ہیں۔ تب تک آپ پیکنگ کیجئے میں اماں اور بھرجائی کو بتا دیتا ہوں کہ آپ کچھ دنوں کے لئے شہر جا رہی ہیں آپ کی مام آگئی ہیں۔''

وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا لیکن رباب بہت دیر تک اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی تھی۔ اسے اپنی واپسی کا سن کر یوں شاک لگا تھا جیسے اپنے وطن سے جلاوطنی کا حکم مل گیا ہو یا پھر سزائے موت کا، اپنی واپسی کا سفر تو وہ یکسر بھول بیٹھی تھی۔ اس نے یہ خیال ہی دل سے نکال دیا تھا کہ وہ کبھی واپس بھی جائے گی، اس شخص کے گھر سے یا پھر گاؤں سے دور...... اور اب جب وقت اور حالات کا بلاوا سر پہ آکھڑا ہوا تھا تو دل کی پرسکون ندی میں جدائی کا

پھر بڑی دور تک بھنور چھوڑ گیا تھا۔ منتشر لہریں جذبات کے کناروں تک پھیل گئی تھیں اور کنارے بھربھری مٹی کی طرح گرنے لگے تھے۔ اس نے بے چین ہو کر کِکی کے سیل کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

''ہائے رباب مبارک ہو بھئی آج تم قید سے آزاد ہو رہی ہو۔''

''قید۔'' وہ اس کا لفظ دہرا کے رہ گئی لہجہ کھویا سا کچھ مضطرب سا تھا۔

''ارے بھئی گاؤں کے ایک گھر کی چار دیواری میں اتنے دن رہنا قید ہی تو ہے۔''

''نہیں کِکی یہ قید نہیں یہ میری جنت ہے اور مجھے جنت سے نکلنے کا حکم سنایا جا رہا ہے پلیز میں اسی جنت میں رہنا چاہتی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔

''کیا مطلب ہے؟'' کِکی الجھی۔

''کِکی میں...... میں یہاں ہی رہنا چاہتی ہوں...... سکندر، سکندر رحمٰن سے دور رہنا میرے لئے ناممکن ہے۔''

''واٹ؟'' دوسری طرف دو ہزار واٹ کا شاک لگا تھا۔

''رباب تم؟''

''ہاں میں تسخیر ہو چکی ہوں میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی اس کی خاطر میں کہیں بھی رہ لوں گی۔''

رباب دیوانی ہوئی جا رہی تھی......

''دوسری طرف بھی یہی حال ہے؟'' کِکی نے ذرا سنبھل کر ذرا معقول سا سوال کیا تھا۔

''میں نہیں جانتی۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''تو پھر کون جانتا ہے؟'' جواباً وہ خاموش ہی رہی تھی۔

''رباب کیا سکندر رحمٰن بھی تمہیں اسی طرح چاہتا ہے؟''

''شاید نہیں۔'' بالآخر اس نے اعتراف کر ہی لیا تھا۔

''تو پھر کیوں پاگل ہو رہی ہو؟''

''کیوں کہ مجھے پتہ ہے اگر آج میں یہاں سے چلی گئی تو پھر کبھی لوٹ کر آنا مشکل ہوگا۔''

''کیا اس نے تمہیں روکا ہے؟''

''نہیں کِکی کبھی نہیں سب کچھ میری طرف ہے اس طرف کچھ بھی نہیں۔''

''تو یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ تمہارے رکنے کا کیا فائدہ اگر گھر والا ہی روکنا نہ چاہے؟'' کِکی نے جھنجلا کر کہا تھا، لیکن رباب اس کی بات کی گہرائی سمجھ گئی تھی۔ اس نے دل پہ جبر کر لیا تھا۔



اسے پورا ایک ہفتہ ہو چکا تھا شہر واپس آئے ہوئے لیکن ابھی تک اس کے کانوں میں کاشی فانی اور گڈی کی جلدی گھر آنے کی تاکیدیں گونج رہی تھیں اماں اور بھرجائی کی دعائیں اور اس شخص کی بیگانگی اور سرد مہری یاد آ رہی تھی۔

میڈم کشور جہانیاں دو روز سے اسلام آباد گئی ہوئی تھیں اور آفس میں وہی ان کا کام سنبھال رہا تھا آفس سے آتا تو انیکسی میں گم ہو جاتا تھا رباب اسے دیکھتی رہ جاتی تھی۔ اندر سے وہ بھی ڈسٹرب دکھائی دیتا تھا۔

میڈم جہانیاں اسلام آباد سے واپس آئیں تو زبردستی اسے گاؤں بھیج دیا کہ وہ دو چار روز تھکن اتار لے لیکن گاؤں آیا تو پہلی بار گھر سونا سونا لگ رہا تھا تب احساس ہوا کہ وہ جوا جیت کر بھی ''ہار'' گیا ہے بظاہر اس نے سارے کام خوش اسلوبی سے کر لیے تھے۔ گڈی کا علاج، بہنوں کی شادیاں، بھرجائی اور بھتیجوں کی ذمہ داری، ماں کی تابعداری اور نوکری بھی پوری ایمانداری سے نبھائی تھی، لیکن اپنے دل کے نوخیز جذبے کو نہیں نبھا سکا تھا۔ اسی لئے اپنے آپ سے بھی بے زار ہو چکا تھا۔ بھرجائی اور اماں نے اس کے متعلق پوچھا تو ٹال گیا تھا۔ گھر مزید کاٹ کھانے کو دوڑا تو شہر کی ٹھانی...... جہاں میڈم جہانیاں انگلینڈ جانے کی خبر سنا کر چلتی بنی تھیں اور وہ فیصلے کے دوراہے پر کھڑا تپ گیا تھا اور یہی تپش اس کے دماغ کو چڑھی ہوئی تھی۔ ہر ایک کو کاٹ کھانے کے لئے دوڑ رہا تھا، ایسے میں آج رباب کو اپنی فرینڈ لکی کے ساتھ سرِ راہ خوش باش دیکھ کر اور ڈراپ کرنے کی آفر سن کر جل بھن گیا تھا، اس کے جانے کے بعد گاڑی کو ٹھوکر دے ماری تھی۔

رباب اس کی اس قدر لاتعلقی سے اندر ہی اندر گھائل ہو چکی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اس شخص کو اپنے لئے بے قرار ہوتے نہیں دیکھا تھا اس نے ایک بار بھی اسے جذبات کی آندھی میں بھٹکتے اور لڑکھڑاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کی نظروں میں اپنے لئے والہانہ پن دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے اپنے لئے بے تاب دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن وہاں وہی ازلی سرد مہری تھی وہ جو ایک دو بار مہکتے پرفسوں لمحات کے زیرِ اثر اسے اپنے ہاتھوں کا یا پھر ہونٹوں کا حدت آمیز لمس بخش بیٹھا تھا۔ وہ بھی اب خواب لگنے لگا تھا ورنہ ایسی بے خود کیفیت کی اس سے توقع رکھنا عبث تھا اور رباب جہانیاں جسے اپنے رباب جہانیاں ہونے پہ فخر ہوتا تھا اپنے شوہر کی ایسی بے حسی پہ آج کل جی بھر کے جلنے کڑھنے میں مصروف تھی۔

اور ابھی وہ اس جلنے کڑھنے سے باہر بھی نہ آئی تھی جب میڈم کشور جہانیاں نے دو ہفتے بعد انگلینڈ سے واپس آتے ہی اپنے پرسنل وکیل سے طلاق کے کاغذات بھی تیار کروا لئے تھے اور سکندر رحمٰن کو بھی بلا لیا تھا......

''جی میڈم آپ نے بلایا؟'' وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو میڈم اور وکیل صاحب سامنے بیٹھے دکھائی دیے۔

''آؤ سکندر بیٹھو۔'' انہوں نے اشارہ کیا تھا۔

''کوئی ضروری کام تھا؟'' وہ عجلت سے بولا۔

''جلدی میں کیوں ہو؟'' میڈم نے اسے سرتاپا دیکھا۔

''عصر کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے یہ وقت کافی قلیل ہوتا ہے۔'' وہ آستین فولڈ کر رہا تھا۔

''بس پانچ منٹ کا کام ہے، تمہیں سائن ہی تو کرنے ہیں۔''

''سائن؟''

''ارے بھئی طلاق نامے پہ۔'' میڈم جھنجھلائیں۔

''طلاق نامہ؟'' ڈرائنگ روم میں داخل ہوتی رباب پہ بم پھٹا تھا اور سکندر کے قدموں تلے بھی زمین سرک سی گئی تھی۔

''ہاں تمام کاغذات فل ہو چکے ہیں۔ صرف تمہارے دستخط کی کمی ہے......'' سکندر نے اِک نظر رباب کو دیکھا تھا وہ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکی تھی، آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ وہ بمشکل قدم اٹھاتا صوفہ پہ آبیٹھا تھا اور ٹیبل پہ پھیلے کاغذات اٹھا کر سامنے کر لئے۔

''مجھے طلاق نہیں چاہئے، آپ سائن نہیں کریں گے۔'' وہ اس کے ہاتھ میں دیا جانے والا قلم دیکھ کر چیخ اٹھی تھی۔

''رباب؟'' میڈم جہانیاں نے متحیر ہو کر اسے دیکھا۔

''ہاں میں ٹھیک کہہ رہی ہوں مجھے سکندر رحمٰن سے طلاق نہیں چاہیے، میں اس کی بیوی ہوں، اس کی بیوی ہی رہنا چاہتا ہوں۔''

''یہ کیا پاگل پن ہے؟'' وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی تھیں۔

''یہ پاگل پن نہیں ہے مام یہ رشتہ ہے اور رشتے کھیل نہیں ہوتے جب چاہے جوڑ لو جب چاہے توڑ دو، جس شخص نے مجھے عارضی طور پر تحفظ فراہم کیا ہے وہ عمر بھر بھی مجھے تحفظ دے سکتا ہے اور میں اگر چھ ماہ گاؤں میں اپنی زندگی کی سلامتی کے لئے گزار سکتی ہوں تو چھ صدیاں اپنے دل کی سلامتی کے لئے بھی گاؤں میں گزار کر سکتی ہوں۔'' وہ اچانک جنگ کے اس محاذ پہ خود ہی ڈٹ گئی تھی اور سکندر کے ساتھ ساتھ وکیل صاحب بھی ماں بیٹی کو روبرو اور دوبدو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''اپنا اسٹینڈرڈ اپنا اسٹیٹس دیکھو وقتی جذبات میں مت پڑو۔''

''مام میں اگر وقتی جذبات کو ترجیح دینے والی لڑکی ہوتی تو بہت پہلے......سنی کی بانہوں میں جھولتی اس کا نوالہ بن چکی ہوتی اور آج میری پاکیزگی اور پاک دامنی پہ آپ کو بھی فخر نہ ہوتا اور شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ سکندر رحمٰن ہی میرے اسٹینڈرڈ کا آدمی ہے میرا معیار جتنا بلند ہے وہ میرے معیار سے بھی اتنا ہی بلند ہے۔'' اس نے یوں بات کی جیسے سکندر رحمٰن وہاں موجود ہی نہ ہو اور وہ دھڑلے سے اس کا ذکر کئے جا رہی ہو......

''اور اگر میں تمہاری اس بے وقوفی پہ تمہارا ساتھ نہ دوں تو؟''

''تو پھر آپ میری موت میں تو میرا ساتھ دیں گی نا؟''

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''یہ سچ ہے مام سکندر رحمٰن کے بغیر نہیں رہ سکتی جس طرح آپ نے ساری زندگی بیوگی کے بعد بھی مسز جہانیاں بن کر گزاری ہے صرف ایک ہی نام کو سینے سے لگائے رکھا ہے میں بھی مسز سکندر رحمٰن بن کے رہنا چاہتی ہوں میری زندگی میں آنے والا پہلا اور آخری مرد سکندر رحمٰن ہی ہے، مجھے بھی کسی اور نام کی اور سہارے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر پھر بھی آپ طلاق دلوانا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے لیکن یہ بھی یاد رکھیے گا اس کے بعد میری شادی کہیں اور مر کر بھی نہیں ہو گی۔'' وہ اٹل لہجے میں کہہ کے پلٹی تھی۔

''رابی تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟'' میڈم جہانیاں کی سخت برفیلی آواز نے اس کے قدم روک لئے تھے۔ ''کیونکہ سکندر رحمٰن سنی یا پھر ہماری سوسائٹی کے دیگر مردوں جیسا بد کردار نہیں ہے۔''

''بس اس لئے؟'' ان کے مزید استفسار پہ اس نے پلٹ کر اپنی ماں کو پھر سکندر رحمٰن کو اور پھر وکیل صاحب کو دیکھا تھا۔

''اس لئے کہ میں سکندر رحمٰن سے محبت کرتی ہوں اور محبت سے بڑا جواز میرے پاس اور کوئی نہیں ہے۔'' وہ ان تین افراد کے سامنے ڈنکے کی چوٹ پہ اپنی محبت کا اظہار کرتی وہاں سے چلی گئی تھی میڈم کشور جہانیاں سکندر رحمٰن کو دیکھنے لگی تھیں۔



''تمہاری چھوٹی میم کہاں ہیں؟'' وہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد سیدھا وہیں آیا تھا، جہاں سے گیا تھا۔ ملازمہ نے اوپر بیڈ روم کی سمت اشارہ کرتے ہوئے سکندر کو دیکھا جو چہرے سے ہی بہت خوش لگ رہا تھا۔ آج اس کے چہرے کی چمک ہی بہت نرالی تھی۔ وہ سرشادی سے مضبوط قدم اٹھاتا سیڑھیاں طے کرتا اوپر آ گیا تھا۔ پہلے بھی ایک دفعہ وہ اس بیڈ روم تک آ چکا تھا۔ لیکن تب وہ بے زار تھا اور رباب بے ہوش تھی، لیکن آج وہ سرشار تھا اور مدہوش بھی...... دستک دے کر اجازت کا انتظار کئے بغیر اندر آ گیا تھا۔ وہ بیڈ پہ لیٹی دونوں ہاتھوں سے تکیہ دبوچ کر اپنے چہرے پہ رکھے ہوئے تھی۔

وہ اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ بیڈ پہ اس کے دائیں بائیں جما کے بے حد قریب جھک آیا تھا۔

''اگر اجازت ہو تو منہ دکھائی کی رسم ہو جائے؟'' لہجہ دنیا بھر کی دلکشی لئے ہوئے تھا۔

''لوگ گھونگھٹ اٹھاتے ہیں یہاں تو تکیہ اٹھانا پڑے گا۔'' اس نے اپنا وزن کہنی پہ ڈالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے تکیہ کھینچ لیا تھا اور وہ یکلدم پھٹ پڑی تھی۔

''اب بھی کیا ضرورت ہے؟'' گھونگھٹ اٹھانے کی یا تکیہ اٹھانے کی۔''

''اُف اتنا غصہ؟'' وہ چھیڑنے والے انداز میں بولا تھا۔

''پلیز چلے جائیں یہاں سے، مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔''

وہ خود پہ جھکے سکندر کے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے دور ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

''اتنا عرصہ تمہیں اکیلا چھوڑا ہے اب مزید حوصلہ نہیں ہے اب جاؤں گا تو تمہیں ساتھ لے کر، آخر تم نے خود میرے ساتھ رہنے کا اعلان کیا ہے۔'' وہ اس کے چہرے پہ جھکا اپنے ہونٹوں کی مہر ثبت کر چکا تھا۔ جس پہ رباب اور زیادہ بھڑک اٹھی تھی اور پوری قوت سے اسے پیچھے دھکیل کر تیزی سے اٹھ گئی تھی۔

''مجھے آپ کے ساتھ رہنا تھا تو میں نے اعلان کر دیا۔ آپ کو میرے ساتھ نہیں رہنا تھا آپ نے کچھ نہیں کہا، اب آپ اپنی لسٹ میں ہی رہیں تو بہتر ہے۔ آپ کو میری کتنی چاہت ہے سب جانتی ہوں۔'' وہ غصے سے تپی ہوئی تھی۔

''مجھے تمہاری کتنی چاہت ہے یہ تم میرے رب سے پوچھو جس سے ہر لحہ صرف تمہیں مانگا ہے۔'' وہ بیڈ سے اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن رباب کی آنکھوں میں ابھی بھی بدگمانی اور بے یقینی تیر رہی تھی۔

''آپ کو میری چاہت ہوتی تو آپ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے مجھے گاؤں سے شہر لے کر نہ آتے بلکہ مجھے روکنے کی کوشش کرتے یا پھر کبھی بھولے سے ہی اپنی چاہت کا اظہار کرتے میرے لئے بے تاب ہوتے، میرے لئے بے چین پھرتے میرے لئے اداس ہوتے لیکن آپ کو میری چاہت ہی نہیں تھی آپ نے......'' وہ یکدم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تھی اور سکندر گہری سانس کھینچتے ہوئے رخ موڑ گیا تھا۔

''رباب اپنے مقام پہ تم بھی ٹھیک ہو لیکن اپنے مقام پہ میں بھی ٹھیک ہوں...... بے شک میڈم نے ایک اگری منٹ کے تحت ہمارا نکاح کیا تھا لیکن محبتیں کسی اگری منٹ کو نہیں مانتیں اور دل بھی کسی اسٹامپ پیپر کو نہیں مانتا، میں نے بھی تمہیں کچھ عرصہ کے لئے ہی اپنایا تھا مگر اپنے اندر پلنے والے جذبے کو بھی نہ روک سکا تھا میں یقیناً اپنے دل کی بے خودی کے ہاتھوں اپنی محبت کا اعلان بھی کر دیتا لیکن تمہاری مام کا کہنا تھا کہ انہوں نے میرے ہاتھ میں ایک آئینہ تھمایا ہے اور جب وہ یہ آئینہ واپس لیں تو اس پہ کوئی داغ کوئی غبار کوئی دھول مٹی یا دراڑ نہیں ہونی چاہئے یعنی ان کا مطلب تھا انہیں اپنی بیٹی بالکل ویسی ہی چاہئے تھی جیسے وہ مجھے سونپ رہی تھیں میں ذرا سا ہیر پھیر بھی نہیں کر سکتا تھا یہاں تک کہ انہوں نے صاف لفظوں میں مجھ سے کہا تھا کہ تمہارے قریب نہ جاؤں اور نہ ہی تمہیں چھونے کی کوشش کروں کیونکہ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کے بہت اونچے اونچے خواب دیکھ رکھے تھے اور ایسے عالم میں...... ایسے امتحان میں تم بتاؤ میں کیا کر سکتا تھا؟

کیا میڈم کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے تمہیں اپنا سکتا تھا؟ یا پھر اپنی محبتوں کا والہانہ اظہار کر سکتا تھا؟ نہیں رباب میں ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ میں اپنی اوقات جانتا تھا وہ کھڑے کھڑے مجھے سڑک پہ لا سکتی تھیں اور میں وہی پہلے سی فقیرانہ حالت میں آ جاتا جس سے میرے بچے (بھتیجے، بھتیجی) میری ماں، بہنیں اور بھر جائی سب بھوکے رہ جاتے اور دوسری بات یہ کہ انہوں نے کسی اعتماد کے تحت تمہیں میرے حوالے کیا تھا اس طرح ان کا یہ اعتماد بھی ٹوٹ جاتا اور میں ان کا اعتماد بھی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

دراصل وہ اندر سے بہت نرم دل خاتون ہیں اور خود بھی محبت کرنا جانتی ہیں بس ظاہری طور پر بااصول اور سخت نظر آتی ہیں لیکن وہ جو کچھ بھی ہیں تم سے بہت محبت کرتی ہیں تمہارے لئے اپنے بھائی بھتیجے کو جیل کی سلاخوں میں بھیج دیا ہے، تمہارے معاملے میں وہ اپنے سگے رشتوں سے بھی کوئی کمپرومائز نہیں کرتیں کیونکہ وہ بہت اچھی اور چاہنے والی ماں ہیں اور ایک باکردار بیوی ہیں، میں تمہارے بابا کی قسمت پہ رشک کرتا ہوں، جن کی بیوی نے اپنی جوانی ان کے نام پہ گزار دی اور میں بھی یہی امید کرتا ہوں کہ میری بیوی بھی میرے نام پہ......''

''پلیز سکندر'' رباب نے دہل کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

''تم تو مجھ سے ناراض تھیں؟'' اس کی بات پہ وہ چونکی۔

''وہ تو اب بھی ہوں۔''

''لیکن کیوں؟''

''کیوں جو بات آپ کو میری مام سے کہنا چاہیے تھی وہ مجھے خود کہنا پڑی ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔'' رباب خفا ہو رہی تھی۔

''یار ماؤں کو صرف اپنی بیٹیوں کے دل کا خیال ہوتا ہے داماد کسی کھاتے میں نہیں آتے۔'' وہ اس کو بانہوں میں گھیرتے ہوئے شرارت سے بولا۔

''لیکن وہ آپ کو بہت پسند کرتی ہیں۔'' رباب کا لہجہ مدھم پڑ گیا تھا۔

''بطور ملازم۔'' سکندر نے ان کی پسند کی تصحیح کی تھی۔

''تو پھر میں بھی تو ملازمہ ہوئی نا......''

''کس کی؟''

''ان کے ملازم کی......'' اس نے خوش دلی سے اعتراف کیا تھا۔

''تو پھر ملازمہ کو چاہیے وہ ملازم کے ساتھ انیکسی میں رہے یہاں ڈیرہ کیوں ڈال رکھا ہے؟'' آج سکندر کی ہر ہر حرکت سے گستاخی جھلک رہی تھی اس کی آنکھوں سے، اس کے ہونٹوں سے اس کے ہاتھوں سے پل پل گستاخیاں سرزد ہو رہی تھیں اور رباب چند لمحوں میں ہی اس کی بے خودی اور بے باکی پہ بوکھلا گئی تھی۔

''سکندر پلیز پاگل ہو گئے ہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں سے چھلکتا خمار دیکھ کر خائف ہو گئی تھی۔

''چلو پھر اپنے گھر چلتے ہیں۔''

''کہاں؟''

''بھئی انیکسی میں، اب وہی تمہارا گھر ہے کیونکہ میں انیکسی کا کرایہ ادا کرتا ہوں۔''

''لیکن مجھے تو گاؤں جانا ہے میں سب کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، گڈی، کاشی اور فانی تین دفعہ فون کر چکے ہیں کہ چاچی کب آنا ہے؟''

''یعنی اب مجھے چھوڑ کر تم سے رابطہ کرنے لگے ہیں؟ ہاں دیکھ لوں گا بے ایمانوں کو پارٹیاں بدلنے لگے ہیں۔'' اس کی خفگی پہ وہ ہنس پڑی تھی اور اس کو ہنستے دیکھ کر وہ پھر کسی شرارت کے ارادے سے اس کی سمت جھکا مگر وہ یکدم ہاتھ سے نکل کر دروازے کی سمت بھاگی تھی سکندر اسے یقیناً دوبارہ جکڑ لیتا اگر دروازے پہ دستک نہ ہوتی۔

''کون؟'' سکندر نے دروازہ کھولا سامنے میڈم جہانیاں کھڑی تھیں رباب جھجک کر اپنے بال اور چہرے کے تاثرات درست کرنے لگی لیکن چہرے کی سرخیاں اتنی جلدی چھپنے والی نہیں تھیں۔

''آیئے میڈم۔'' وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔

''کیا اب بھی میں تمہیں میڈم نظر آتی ہوں؟'' انہوں نے سختی سے گھورا۔

''نہیں وہ...... میں تو......'' سکندر سے جواب نہ بن پڑا کہ کیا کہے؟

''رباب کی طرح مام یا پھر ماں نہیں کہہ سکتے؟''

''کہہ سکتا ہوں ضرور کہہ سکتا ہوں، کیوں رباب میری مام کیسی لگتی ہیں تمہیں؟'' سکندر نے میڈم جہانیاں کے کندھے پہ بازو پھیلا کر پوچھا تھا۔

''بس ٹھیک ہی ہیں۔'' وہ منہ بنا کر بولی اور اس کے انداز پہ وہ دونوں بھی ہنس پڑے تھے۔

''تم دونوں گاؤں کب جا رہے ہو؟''

''کل صبح......'' رباب تیزی سے بولی۔

''اچھا مجھے بتا کر جانا میں بھی سکندر کا گاؤں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''ہرے......'' وہ یکدم چلا اٹھی تھی۔

''مام اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی بیوی کو رخصت کروا کے انیکسی میں لے جا سکتا ہوں۔''

''کیوں نہیں جہاں جی چاہے لے جاؤ۔'' وہ کندھے اچکا کر پلٹ گئی تھیں اور سکندر نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی سمت کھینچ لیا تھا۔

''چلئے میم آپ کو بانہوں میں اٹھا کر لے چلوں۔''

''نن نہیں میں خود جا رہی ہوں نا۔'' وہ گھبرا گئی۔

''آپ کی نازک سی جان کو زحمت ہوگی......''

''آپ تو حد سے زیادہ بے باک ہیں ہم ایویں ہی آپ کو زاہد کہتے تھے۔''

'زاہد؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں وہ لکی نے آپ کا نام زاہد رکھا ہوا تھا۔''

''کیوں؟''

''بعد میں بتاؤں گی۔'' وہ اپنی مسکراہٹ روکنے لگی جب کہ وہ زاہد کا مطلب سمجھ میں آتے ہی جارحانہ تیوروں سے لپکا تھا اور وہ بھاگی تھی۔



میڈم کشور جہانیاں کو رباب کے انداز سے ہی سمجھ آ چکا تھا کہ وہ کس حد تک سنجیدہ ہے اور وہ کیا کر سکتی ہے، کیونکہ چند روز پہلے لکی بھی انہیں بتا چکی تھی کہ رباب اپنی زندگی کے فیصلے پہ سنجیدہ ہو چکی ہے اسی لئے جب وہ ان کے سامنے اپنے فیصلے پہ کھڑی ہوئی تو وہ بہت کچھ سوچنے پہ مجبور ہو گئی تھیں اور اپنی فطرت اور عادت کے مطابق انہوں نے فیصلہ کرنے میں چند منٹ ہی لئے تھے وہ ہمیشہ فیصلہ بہت جلد اور دوٹوک کرتی تھیں انہیں اپنی بیٹی کی خواہش عزیز تھی اگر انہیں بیٹی کی خوشی مقدم نہ ہوتی تو وہ اپنے بھائی سے دشمنی مول نہ لیتیں اور بھتیجے کو داماد بنا لیتیں لیکن عام امیر کبیر ماں باپ جیسی سوچ انہوں نے کبھی نہیں پالی تھی کہ اپنی بیٹی کے ذریعے بزنس میں مزید ترقی کریں گی، بلکہ وہ ہمیشہ اپنی بیٹی کو اچھی بیٹی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھیں اور اچھی بیٹی حاصل کرنے کے لئے اچھی ماں ثابت ہونا زیادہ ضروری تھا شاید یہی وجہ تھی کہ آج وہ بیٹی کی خوشیوں میں خوش تھیں۔

رباب گاؤں آتے ہی گھر بھر میں چہکتی پھر رہی تھی گڈی چاچو کی گود میں چڑھی بیٹھی تھی بھرجائی ان دونوں کو چھیڑ رہی تھیں، ماں جی اور کشور جہانیاں ان کی نوک جھونک سن کر مسکرا رہی تھیں، یوں لگ رہا تھا جیسے اللہ نے ان کی محبتوں کا اور خلوص کا صلہ آج ہی دے دیا ہو، ہر طرف رونق تھی اور رباب کا زاہد اسے بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے کنفیوژ کیے جا رہا تھا۔ جس کی بدولت اس کی رنگت تمنائی ہوئی تھی اور وہ دل ہی دل میں اپنے رب کے شکر گزار ہو رہی تھی اور با قاعدہ نفل بھی ادا کیے تھے۔

